نضر اللہ امرأً سمع منا حدیثاً فحفظه حتی یبلغه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

ماهنامه

الحدیث

حضرو

شمارہ نمبر 52

رمضان ۱۴۲۹ھ ستمبر ۲۰۰۸ء

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

- حدیث اور منکرینِ حدیث
- عقیقہ اور اس کے بعض مسائل
- سفر میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے
- اللہ کے ساتھ شرک
- سچے قصے

مکتبة الحدیث
حضرو، اٹک: پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 5 | رمضان ۱۴۲۹ھ ستمبر ۲۰۰۸ء | شمارہ: 9

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

0300-5335233

معاونین

حافظ ندیم ظہیر 0301-6603296

ابو جابر عبداللہ دامانوی 0300-7062081

محمد صفدر حضروی

ابو خالد شاکر

برائے رابطہ

اعظم بلال 0302-5756937

حافظ طارق مجاہد یزمانی 0345-8737752

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

250 روپے

خط کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقام اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

اس شمارے میں

کلمۃ الحدیث ابومعاذ

عدل وانصاف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

اے ایمان والو! اللہ کے لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے (اور) انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، تمھیں کسی قوم کی دشمنی نا انصافی پر نہ اُکسا دے، عدل وانصاف کرو، یہی تقوے کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اُسے اللہ خوب جانتا ہے۔ (المائدۃ:۸)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ﴾

جب تم بات کرو تو انصاف سے کرو اگرچہ تمھارا رشتے دار ہی ہو۔ (الانعام:۱۵۲)

اسلام ایسا عدل وانصاف والا دین ہے کہ کافروں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إن المقسطين عند الله على منابر من نور، عن يمين الرحمٰن عزوجل و كلتا يديه يمين ، الذين يعدلون في حكمهم و أهليهم و ما ولوا.))

بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے پاس دائیں طرف نور کے منبروں پر ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں، جو اپنے فیصلوں، گھر والوں اور جن کے وہ والی (سربراہ) ہیں اُن میں انصاف کرتے تھے۔ (صحیح مسلم:۱۸۲۷، دارالسلام:۴۷۲۱)

ذوالخویصرہ التمیمی نامی ایک منافق نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ انصاف کریں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((ويلك ! ومن يعدل إذا لم أعدل ؟)) تو تباہ ہو جائے! اگر میں انصاف نہ کروں تو پھر کون انصاف کرے گا؟ (صحیح بخاری:۳۶۱۰، صحیح مسلم:۱۰۶۴)

اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے افضل رسول اللہ ﷺ ہیں اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والے بھی آپ ہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے والد نے ایک دفعہ یہ ارادہ کیا کہ اپنے ایک بیٹے کو ایک غلام ہبہ کر دیں حالانکہ ان کے دوسرے بیٹے بھی تھے، پھر جب وہ (بشیر رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے پوچھا: کیا تم نے سارے بیٹوں کو اسی طرح غلام ہبہ کئے ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا:

((اِتقوا اللّٰه واعدلوا فی أولادکم .)) اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے بارے میں انصاف کرو۔ پھر آپ نے اس معاملے میں گواہ بننے سے انکار کر دیا۔

دیکھئے صحیح مسلم (١٦٢٣) و صحیح بخاری (٢٥٨٧، ٢٦٥٠)

یہ سن کر سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ نے فوراً رجوع کر لیا اور اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا اور یہی اہلِ ایمان کا طریقہ ہے۔ اہلِ ایمان کا ہر فیصلہ عدل وانصاف اور سچائی پر ہی مبنی ہونا چاہئے بلکہ حق بات کو تسلیم کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس نے تین چیزیں اکٹھی کر لیں تو اس نے ایمان اکٹھا کر لیا: اپنے نفس سے انصاف کرنا، سلام کو دنیا میں پھیلانا اور تنگ دستی کے باوجود (اللہ کے راستے میں) خرچ کرنا۔

(صحیح بخاری قبل ح ٢٨، مسند یعقوب بن شیبہ بحوالہ تغلیق التعلیق ٢/٣٧)

''اپنے نفس سے انصاف کرنا'' کی تشریح میں مولانا محمد داود راز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یعنی اس کے اعمال کا جائزہ لیتے رہنا اور حقوق اللہ وحقوق العباد کے بارے میں اس کا محاسبہ کرتے رہنا مراد ہے اور اللہ کی عنایات کا شکر ادا کرنا اور اس کی اطاعت وعبادت میں کوتاہی نہ کرنا بھی نفس سے انصاف کرنے میں داخل ہے۔ نیز ہر وقت ہر حال میں انصاف مدنظر رکھنا بھی اسی ذیل میں شامل ہے۔''

(شرح صحیح بخاری مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور ج ١ ص ٢١٢)

فقہ الحدیث حافظ زبیر علی زئی

حدیث اور منکرینِ حدیث

الفصل الثانی

١٦١) عن ربيعة الجرشي قال: أتي نبي اللّٰه ﷺ فقيل له : لتنم عينك ولتسمع أذنك و ليعقل قلبك . قال : ((فنامت عيني و سمعت أذناي و عقل قلبي)) .قال : ((فقيل لي : سيد بنى دارًا فصنع فيها مأدبة و أرسل داعيًا فمن أجاب الداعي دخل الدار و أكل من المأدبة و رضي عنه السيد ومن لم يجب الداعي لم يدخل الدار ولم يأكل من المأدبة و سخط عليه السيد .)) قال : ((فاللّٰه السيد ومحمدٌ الداعي والدار الإسلام والمأدبة الجنة .)) رواه الدارمي .

ربیعہ الجرشی (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آنے والا آیا پھر آپ سے کہا گیا: آپ کی آنکھ سو جائے، کان سُنے اور دل یاد کر لے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: میری آنکھ سو گئی، میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے یاد کر لیا۔ مجھے کہا گیا: کسی سردار نے ایک گھر بنایا پھر اس میں دسترخوان بچھایا اور (لوگوں کی طرف) ایک دعوت دینے والا بھیجا، پس جس نے اس کی دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوا، دسترخوان سے کھایا اور اس کا سردار بھی اس سے راضی ہو گیا۔ جس نے دعوت قبول نہ کی، وہ گھر میں داخل بھی نہ ہوا، دسترخوان سے کھانا بھی نہ کھایا اور سردار بھی اس سے ناراض ہو گیا۔

فرمایا: اللہ سردار ہے اور محمد (ﷺ) دعوت دینے والے ہیں، گھر اسلام ہے اور دسترخوان جنت ہے۔ اسے دارمی (۱/۷ ح۱۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث:

اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کا ایک بنیادی راوی عباد بن منصور ہے جسے جمہور

محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور ضعیف ہونے کے ساتھ وہ مدلس بھی تھا لہٰذا اس کے بارے میں راجح قول ''ضعیف مدلس ، ضعفه الجمهور'' ہے۔
روایتِ مذکورہ عباد بن منصور نے عن کے ساتھ بیان کر رکھی ہے۔
تنبیہ: صحیح بخاری (۷۲۸۱) کی حدیث جو مشکوٰۃ المصابیح میں گزر چکی ہے۔ (ح۱۴۴)
وہ اس ضعیف روایت سے بے نیاز کر دیتی ہے لہٰذا اس صحیح روایت کا فقہ الحدیث دوبارہ پڑھ لیں۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۴۹ ص ۴۔ ۷

۱۶۲) وعن أبي رافع قال قال رسول الله ﷺ :((لا ألفين أحدكم متكئًا على أريكته يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول: لا أدري ما وجدنا في كتاب اللّٰه اتّبعناه .)) رواه أحمد وأبو داود والترمذي وابن ماجه والبيهقي في دلائل النبوة .

(سیدنا) ابو رافع (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے ہو، اس کے پاس میرا کوئی حکم (حدیث) آئے جس میں کام کرنے کا حکم یا ممانعت ہو تو وہ کہے: مجھے پتا نہیں، ہم تو کتاب اللہ میں جو پائیں گے اُسی کی اتباع کریں گے۔ اسے احمد (۸/۶) ابو داود (۴۶۰۵) ترمذی (۲۶۶۳ وقال: حسن صحیح) ابن ماجہ (۱۳) اور بیہقی نے دلائل النبوہ (۲۵/۱، ۵۴۹/۶) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند بالکل صحیح ہے، اسے ابن حبان (الاحسان: ۱۳) نے صحیح، حاکم (۱۰۸/۱) نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے۔ یہ حدیث درج بالا کتابوں کے علاوہ درج ذیل کتبِ حدیث میں بھی موجود ہے: مسند الشافعی (۱۷/۱، دوسرا نسخہ ص ۱۵۱ ح ۷۲۷) کتاب الام للشافعی (۱۵/۷، وسندہ صحیح، ۲۸۹/۷) السنن الکبریٰ للبیہقی (۷۶/۷) مسند الحمیدی (۵۵۱)
اس حدیث کے بنیادی راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

① ابورافع القبطی مولیٰ رسول اللہ ﷺ مشہور صحابی ہیں، انھوں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے بیان کی ہے۔ رضی اللہ عنہ

② عبید اللہ بن ابی رافع المدنی رحمہ اللہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کاتب اور ثقہ تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (٤٢٨٨) انھوں نے یہ حدیث اپنے والد سے بیان کی ہے۔

③ سالم بن ابی امیہ، ابوالنضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ التیمی المدنی رحمہ اللہ ثقہ ثبت تھے اور مرسل روایتیں بیان کرتے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (٢١٦٩)

تنبیہ: مرسل روایتیں بیان کرنا جرح نہیں ہے بلکہ ثقہ راوی کی مرسل روایت مردود اور متصل صحیح روایت مقبول ہوتی ہے۔ سالم نے یہ روایت عبید اللہ بن ابی رافع سے متصل سند کے ساتھ بیان کی ہے لہٰذا یہ روایت مرسل نہیں ہے۔

④ سالم ابوالنضر سے یہ حدیث سفیان بن عیینہ المکی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے جو مشہور ثقہ مدلس تھے اور انھوں نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

⑤ سفیان بن عیینہ سے اسے امام شافعی اور امام حمیدی وغیرہما نے بیان کیا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

① رسول اللہ ﷺ کی حدیث حجت ہے۔

② رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔

③ منکرینِ حدیث وہ لوگ ہیں جنھیں دربارِ رسالت سے ناپسندیدہ قرار دے کر دھتکار دیا گیا ہے۔

④ یہ حدیث دلائلِ نبوت میں سے ہے کیونکہ اس میں پیش گوئی ہے کہ امتِ محمدیہ میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو حدیث کا انکار کریں گے۔

⑤ عصرِ حاضر کے مشہور ثقہ محدث مولانا محمد رفیق اثری حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ "الاستاذ العالی رحمہ اللہ (مولانا سلطان محمود صاحب محدث جلالپوری رحمہ اللہ/ ز ع) کا

بیان ہے کہ مولانا اسماعیل (بن ابراہیم بن عبداللہ چکڑالوی/) نے بتایا کہ ایک بار وہ اپنے والد مولانا ابراہیم کے ساتھ لاہور گئے جہاں ان کا والد عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث اپنے دوست ریشم کے تاجر محمد چٹو کے ہاں مقیم تھا جس کا گھر جامع مسجد اہلِ حدیث چینیاں والی (رنگ محل لاہور) کے قریب تھا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مولوی عبداللہ ایک تخت پر لیٹا ہوا ہے۔ مولانا ابراہیم نے اس سے مطالبہ کیا کہ میری جائیداد کا حصہ مجھے دیں اس سے محروم نہ کریں (یاد رہے اس کی مسلکی ہمنوائی نہ کرنے پر عبداللہ چکڑالوی نے انھیں عاق قرار دے کر جائیداد سے محروم کر دیا تھا۔ اثری) کیوں کہ حدیث میں ہے: ((**من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة**)) [مشکوٰۃ]

عبداللہ چکڑالوی نے جواب دیا کہ میں حدیث کو نہیں مانتا اگر قرآن مجید میں کسی جگہ ہو تو دکھاؤ۔ مولانا ابراہیم نے کہا: کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا تھا کہ شاید وہ (ابراہیم کے والد) حق پر ہوں لیکن آج یقین ہو گیا کہ میں حق پر ہوں اور میرا والد غلط راستے پر چل نکلا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ایک پیش گوئی جو آپ نے تیرہ سو سال پہلے فرمائی تھی ہو بہو میرے سامنے سچ ثابت ہو رہی تھی، اور پھر یہ حدیثیں پیش کیں: .....ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں کوئی ایسا نہ ہو کہ میرا حکم جو میں نے دیا میری نہی اسے پہنچے اور وہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے (اسے) کہے: میں نہیں جانتا، جو اللہ کی کتاب میں ہے ہم اس کی اتباع کریں گے۔ (رواہ احمد وابوداود والترمذی وابن ماجہ والبیہقی)

.......مقدام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قرآن اور اس کی مثل دیا گیا ہے، سنو! قریب ہے کہ ایک آدمی پیٹ بھرا تخت پر بیٹھا ہوگا، کہے گا: اس قرآن ہی کو اپناؤ، جو اس میں حلال ہے اسے حلال جانو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں کو حرام (وحلال) قرار دیا ہے اسی طرح ہے گویا اللہ نے حرام وحلال قرار دیا ہے۔ (رواہ ابوداود والدارمی)

مولانا ابراہیم یہ منظر دیکھ کر اور احادیث سنا کر باپ کے مال سے لاتعلق ہو کر واپس چلے

گئے ۔'' (کتاب: مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری تصنیف مولانا محمد رفیق اثری ص ۶۷، ۶۸ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ والی درج بالا حدیث اور سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی آنے والی حدیث دونوں حدیثیں عبداللہ چکڑالوی پر فٹ ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ [چکڑالوی کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ دوامِ حدیث جلد اول ص ۳۴، ۳۵]

تنبیہ نمبر (۱): عبداللہ چکڑالوی کے بیٹے مولانا ابراہیم صاحب اہل حدیث تھے اور ان کے بیٹے مولانا اسماعیل صاحب بھی اہل حدیث تھے۔ رحمۃ اللہ علیہما

تنبیہ نمبر (۲): قطع میراث اور فرار من میراث الوارث والی روایت مختلف ضعیف سندوں کے ساتھ سنن سعید بن منصور (ج ا ص ۹۶ ح ۲۸۵، ۲۸۶) وغیرہ میں موجود ہے۔ یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔

۱۶۳) وعن المقدام بن معدي كرب قال قال رسول الله ﷺ :

((ألا إني أوتيت القرآن و مثله معه ألا يوشك رجلٌ شبعان على أريكته يقول : عليكم بهذا القرآن فما و جدتم فيه من حلالٍ فأحلوه وما و جدتم فيه من حرام فحرموه و أن ما حرم رسول الله ﷺ كما حرم الله، ألا لا يحل لكم الحمار الأهلي ولا كل ذي ناب من السباع ولا لقطة معاهد إلا أن يستغني عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعليهم أن يقروه فإن لم يقروه فله أن يعقبهم بمثل قراه .)) رواه أبو داود وروى الدارمي نحوه و كذا ابن ماجه إلى قوله : ((كما حرم الله .)) (سیدنا) مقدام بن معدی کرب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! مجھے قرآن اور اس کی مثل عطا کیا گیا ہے، خبردار! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے تخت پر کہے گا: ''اس قرآن کو لے لو، اس میں جو حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں جو حرام ہے اسے حرام سمجھو'' بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے حرام قرار دیا ہے، وہ اسی طرح حرام ہے جیسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ خبردار!

گدھے حلال نہیں ہیں اور کچلی والا ہر درندہ حرام ہے، کسی غیر مسلم کی گمشدہ چیز بھی حلال نہیں ہے الا یہ کہ اس کا مالک اس سے بے نیاز ہو۔ جو آدمی کسی کا مہمان بنے تو ان پر ضروری ہے کہ اس کی میزبانی کریں، اگر وہ اس کی میزبانی نہ کریں تو وہ بقدرِ ضرورت ان سے اپنی میزبانی (کھانا پانی) وصول کرسکتا ہے۔

اسے ابوداود (۴۶۰۴) نے روایت کیا ہے، دارمی (۱/۱۴۴ ح ۵۹۲) کی روایت بھی اسی طرح ہے اور ابن ماجہ (۱۲) نے بھی اسے ''جیسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے'' تک روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند صحیح ہے اور حافظ ابن حبان (الموارد:۹۷، الاحسان: ۱۲، بسند آخر) نے اسے دوسری سند کے ساتھ روایت کرکے صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے بنیادی راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

① سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

② عبدالرحمٰن بن ابی عوف رحمہ اللہ ثقہ (قابلِ اعتماد راوی) ہیں۔
دیکھئے تقریب التہذیب (۳۹۷۴)

③ حریز بن عثمان الحمصی الرحبی رحمہ اللہ ثقہ ثبت ہیں، ان پر ناصبیت کا الزام ہے۔
دیکھئے تقریب التہذیب (۱۱۸۴)
ناصبیت کا الزام ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

④ حریز بن عثمان سے ایک جماعت مثلاً یزید بن ہارون (مسند احمد ۴/۱۳۰، ۱۳۱ ح ۱۷۱۷۴) اور ابوعمرو عثمان بن سعید بن کثیر بن دینار الحمصی وغیرہما نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

خلاصۃ التحقیق: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

فقہ الحدیث:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حجت ہے۔ ② گدھے اور درندے حرام ہیں۔

③ مہمان کی میزبانی کرنا حسبِ استطاعت فرض ہے۔ نیز دیکھئے سابق حدیث:۱۶۲

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

عقیقہ اور اس کے بعض مسائل

سوال: کیا عقیقہ کرنا سنت ہے؟ کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عقیقے کو مکروہ کہتے تھے جیسا کہ مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی نے شرح صحیح مسلم جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۴۳ تا ۴۵ فرید بک سٹال لاہور میں وضاحت کی ہے۔ کیا عقیقے میں اونٹ یا گائے کے اندر حصہ ڈال کر عقیقہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے علاقے میں احناف یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اونٹ اور گائے میں قربانی کی طرح عقیقے کے بھی سات، پانچ، چار وغیرہ حصے ڈالے جا سکتے ہیں؟

کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (خرم ارشاد محمدی)

الجواب:

☆ عقیقہ کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((من أحبّ أن ينسك عن ولده فلينسك عنه :عن الغلام شاتان مكافأ تان وعن الجارية شاة.))**

جو شخص اپنی اولاد کی طرف سے قربانی (عقیقہ) کرنا پسند کرے تو وہ قربانی کر لے: لڑکے کی طرف سے دو برابر بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ (سنن النسائی ۷/۱۶۳ ح ۴۲۱۷ وسندہ حسن، مسند احمد ۲/۱۸۲، ۱۸۳ ح ۶۷۱۳ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم ۴/۲۳۸ ح ۷۶۹۲ ووافقہ الذہبی)

اس حدیث میں ''پسند کرے'' کے الفاظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عقیقہ کرنا واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے۔ دیکھئے التمہید للحافظ ابن عبدالبر (۴/۳۱۱)

نیز دیکھئے موطأ امام مالک بتحقیقی (روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم: ۱۵۸)

حافظ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''**فأما أهل الحديث قاطبة وفقهاء هم وجمهور أهل السنة فقالوا: هي من سنة رسول الله** ﷺ'' تمام اہلِ حدیث، ان کے فقہاء اور جمہور اہل سنت کہتے ہیں:

یہ (عقیقہ) رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

(تحفۃ الودود باحکام المولود ص ۲۸، الفصل الثالث فی ادلۃ الاستحباب)

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: عقیقہ واجب نہیں ہے لیکن اس پر عمل مستحب ہے اور ہمارے ہاں (مدینہ میں) لوگوں کا اسی پر عمل جاری رہا ہے۔ (الموطأ روایۃ یحییٰ ۲/۵۰۲ ح ۱۱۰۹)

ابراہیم بن حارث بن خالد التیمی رحمہ اللہ عقیقے کو مستحب سمجھتے تھے اگرچہ ایک چڑیا ہی کیوں نہ ذبح کردی جائے۔ (الموطأ روایۃ یحییٰ بن یحییٰ ۲/۵۰۱ ح ۱۱۰۷، وسندہ صحیح)

عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہ) کا بیٹا پیدا ہوا تو (ان کی بہن) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے کہا گیا: اے ام المومنین! آپ اس کی طرف سے اونٹ ذبح کریں۔ انھوں نے فرمایا: معاذ اللہ! لیکن (وہ ذبح کریں گے) جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو سالم برابر بکریاں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۳۰۱ وسندہ صحیح)

☆ محمد بن حسن الشیبانی نے قاضی ابو یوسف سے، اُس نے (امام) ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ ''**ولا یعق عن الغلام ولا عن الجاریۃ** '' نہ تو لڑکے کی طرف سے عقیقہ کرنا چاہئے اور نہ لڑکی کی طرف سے۔ (الجامع الصغیر ص ۵۳۴)

یہ سند صحیح نہیں ہے لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ قول ثابت نہیں ہے، اس کے باوجود ملا کاسانی نے بدائع الصنائع (۵/۶۹) میں اسی کی حمایت کی ہے اور فتاویٰ عالمگیری (۵/۳۶۲) میں لکھا ہوا ہے کہ یہ اس کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔!

نیز دیکھئے الموطأ المنسوب الیٰ محمد بن الحسن الشیبانی ص ۸۸، ۸۹

غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں: ''احادیث صحیحہ میں عقیقہ کی فضیلت اور استحباب کو بیان کیا گیا ہے لیکن غالباً یہ احادیث امام ابوحنیفہ اور صاحبین کو نہیں پہنچیں، کیونکہ انھوں نے عقیقہ کرنے سے منع کیا ہے۔'' (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳)

سعیدی صاحب مزید لکھتے ہیں: ''اگر کوئی شخص تقلید محض کی پستی سے نہیں نکلا تو اس کو عقیقہ کرنے سے منع کرنا چاہئے یا کم از کم یہ کہنا چاہئے کہ عقیقہ مباح ہے اور کار ثواب نہیں ہے اور

اس کو یہ نہیں چاہئے کہ امام اعظم کے قول کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر یہ کہے کہ امام اعظم کے نزدیک عقیقہ سنت ہے لیکن سنت موکدہ یا سنت ثابتہ نہیں ہے۔ اور اگر وہ میدان تحقیق میں وارد ہے تو اس کو یہ کہنا چاہئے کہ عقیقہ سنت اور مستحب ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں اس کا ثبوت ہے اور تمام امت نے ان احادیث کو قبول کیا ہے اور امام اعظم کو یہ احادیث نہیں پہنچیں ورنہ وہ عقیقہ کو مکروہ نہ کہتے کیونکہ اس زمانہ میں نشر و اشاعت کے ذرائع اور وسائل اتنے میسر نہیں تھے جتنے اب ہیں.... یہاں امام کے قول کے خلاف حدیث پر عمل کرنا تقلید کے خلاف نہیں ہے۔'' (شرح صحیح مسلم ج ۱ص ۴۵)

☆ عقیقہ میں صرف بکری بکرا یا مینڈھا ہی ثابت ہے۔ ابراہیم بن الحارث التیمی کا قول مبالغے پر محمول ہے اور صحیح یہ ہے کہ گائے اونٹ وغیرہ کا عقیقے میں ذبح کرنا ثابت نہیں ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول '' معاذ اللّٰه '' سے ثابت ہے لہٰذا جو لوگ اونٹ یا گائے میں قربانی کی طرح عقیقے کے بھی سات، پانچ یا چار وغیرہ حصے بنا لیتے ہیں، ان کا عمل غلط ہے اور سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ (۱۹/ جون ۲۰۰۸ء)

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد نقص/ اجماع اور اجتہاد

سوال: اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے، جانور خریدنے کے بعد اُس کے اندر عیب پیدا ہو جائے مثلاً اس کی ٹانگ ٹوٹ جائے یا کانا ہو جائے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے جانور نیا خریدنا چاہئے یا وہی جانور قربان کر دیا جائے۔ قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ اور اجماع اُمت کی روشنی میں جواب ارشاد فرمائیں اور یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ کیا اہلحدیث اجماع اُمت اور اجتہاد شرعی کے قائل ہیں۔ اجماع واجتہاد کا حجت ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟ جواب مفصل تحریر فرمائیں۔ (خرم ارشاد محمدی گجرات)

الجواب: یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کانے یا لنگڑے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((أربع لا تجوز فی الأضاحي: العوراء بین عورها، والمریضة

بين مرضها والعرجاء بين عرجها والكسير التى لا تنقى.))
چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے: واضح طور پر کانا، واضح طور پر بیمار، صاف طور پر لنگڑا اور اتنا کمزور جانور کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔
(سنن ابی داود: ۲۸۰۲ وسندہ صحیح، وصححہ الترمذی: ۱۴۹۷ وابن خزیمہ: ۲۹۱۲ وابن حبان: ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، وابن الجارود: ۴۸۱، ۹۰۷ والحاکم ۱/۴۶۷، ۴۶۸ ووافقہ الذہبی)
یہ اس حالت میں ہے جب قربانی کے لئے جانور خریدا جائے۔
اگر ان عیوب سے صاف ستھرا جانور برائے قربانی خریدا گیا ہو اور بعد میں اس میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو اس کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
''**إن كان أصابها بعد ما اشتريتموها فأمضوها و إن كان أصابها قبل أن تشتروها فأبدلوها**'' ''اگر یہ نقص وعیب تمھارے خریدنے کے بعد واقع ہوا ہے تو اس کی قربانی کرلو اور اگر یہ نقص وعیب تمھارے خریدنے سے پہلے واقع ہوا تھا تو اس جانور کو بدل لو یعنی دوسرے جانور کی قربانی کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۹ ص۲۸۹ وسندہ صحیح)
اہلِ سنت کے مشہور ثقہ امام اور جلیل القدر تابعی امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''**إذا اشترى الرجل أضحية فمرضت عنده أو عرض لها مرض فهي جائزة**''
اگر کوئی شخص قربانی کا جانور خریدے پھر وہ اس کے پاس بیمار ہو جائے تو اس جانور کی قربانی جائز ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ۴/۳۸۶ ح ۸۱۶۱ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۸۱۹۴)
خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئولہ میں قربانی والے جانور کی قربانی جائز ہے۔
الحمدللہ اہلِ حدیث اجماعِ امت کے حجت ہونے اور اجتہادِ شرعی کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لا يجمع الله أمتي على ضلالة أبدًا ويدالله على الجماعة**)) اللہ میری اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت (یعنی اجماع) پر ہے۔ (المستدرک للحاکم ج۱ ص۱۱۶ ح۳۹۹ وسندہ صحیح)
اس حدیث سے حاکم نیشاپوری نے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح رحمہ اللہ کی طرف لکھ کر بھیجا تھا: اگر کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی نہ ملے تو دیکھنا کہ کس بات پر لوگوں کا اجماع ہے پھر اسے لے لینا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۴۰ ح ۲۲۹۸۰ وسندہ صحیح، المختارۃ للضیاء المقدسی ۱/۲۳۸ ح ۱۳۴، سنن الدارمی: ۱۶۹، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۴۷ ص ۴۸)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ما رأى المسلمون حسناً فهو عندالله حسن وما رآه المسلمون سيئاً فهو عندالله سيئ .... '' تمام مسلمان جسے اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جسے تمام مسلمان بُرا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بُرا ہے۔

(المستدرک للحاکم ۳/۷۸ ح ۴۴۶۵ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

سیدنا ابومسعود عقبہ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''أوصيك بتقوى الله ولزوم الجماعة فإن الله لم يكن ليجمع أمة محمد صلى الله عليه وسلم على ضلالة '' میں تجھے اللہ کے تقویٰ اور جماعت (اجماع) کے لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب ۱/۱۶۷، وسندہ صحیح)

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب الرسالہ میں حجیتِ اجماع پر دلائل ذکر کئے ہیں۔ دیکھئے ص ۴۷۱۔۴۷۶ فقرہ: ۱۳۰۹ تا ۱۳۲۰

حافظ ابن حزم اندلسی اپنے غرائب وشذوذ کے باوجود اعلان فرماتے ہیں:

'' أن الإجماع من علماء أهل الإسلام حجة و حق مقطوع به في دين الله عزوجل '' علمائے اہلِ اسلام کا اجماع حجت اور اللہ کے دین میں قطعی حق ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام جلد اول حصہ چہارم ص ۵۲۵)

امام بخاری رحمہ اللہ کے مشہور ثقہ استاذ امام ابوعبید القاسم بن سلام فرماتے ہیں:

''إلا أن يوجد علمه في كتاب أو سنة أو إجماع ''

سوائے یہ کہ اس کا علم کتاب (قرآن) یا سنت (حدیث) یا اجماع میں پایا جائے۔

(کتاب الطہور للامام ابی عبید ص۱۲۴، قبل ح ۳۳۵)

اس طرح کے بے شمار حوالے کتبِ حدیث وغیرہ میں مذکور ہیں۔ برصغیر کے اہلِ حدیث علماء بھی اجماع کو حجت تسلیم کرتے ہیں مثلاً سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد حافظ عبداللہ غازیپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''واضح رہے کہ ہمارے مذہب کا اصل الاصول صرف اتباع کتاب وسنت ہے۔''

''اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل حدیث کو اجماع امت وقیاس شرعی سے انکار ہے۔ کیونکہ جب یہ دونوں کتاب وسنت سے ثابت ہیں تو کتاب وسنت کے ماننے میں ان کا ماننا آگیا''

(ابراء اہل الحدیث والقرآن باب: اہل حدیث کے اصول وعقائد ص۳۲)

معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث کے نزدیک ہر دور میں اُمتِ مسلمہ کا اجماع شرعی حجت ہے۔

اجتہاد کا جواز کئی احادیث سے ثابت ہے مثلاً نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو حکم دیا۔ ((**لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة**))

بنوقریظہ کے پاس پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز کوئی نہ پڑھے۔

صحابہ کی ایک جماعت نے (اجتہاد کرتے ہوئے) راستے میں نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے بنوقریظہ جا کر ہی نماز پڑھی تو نبی کریم ﷺ نے کسی کو بھی بُرا نہیں کہا۔

(صحیح بخاری: ۹۴۶، صحیح مسلم: ۱۷۷۰)

معلوم ہوا کہ نص (واضح دلیل: قرآن، حدیث اور اجماع) نہ ہونے یا نص کے فہم میں اختلاف ہونے کی صورت میں اجتہاد جائز ہے لیکن یہ اجتہاد عارضی اور وقتی ہوتا ہے، اسے دائمی قانون کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

اجتہاد کی کئی اقسام ہیں مثلاً: ① آثارِ سلف صالحین کو ترجیح دینا

② اولیٰ کو اختیار کرنا ③ قیاس کرنا (نص کے مقابلے میں ہر قیاس مردود ہے۔)

④ مصالح مرسلہ کا خیال رکھنا وغیرہ

بعض اہلِ تقلید دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ادلۂ اربعہ چار ہیں یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور اجتہاد لیکن یہ لوگ صرف اپنے خود ساختہ اور مزعوم امام کا اجتہاد ہی حجت سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرے تمام اماموں کے اجتہادات کو دیوار پر دے مارتے ہیں۔ مثلاً مدرسۂ دیوبند کے بانی محمد قاسم نانوتوی صاحب نے ایک اہلِ حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ سے کہا: ''دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں، اس لئے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہئے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے، میں ان کا مقلد نہیں۔''

(سوانح قاسمی ج۲ص۲۲)

محمود حسن دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: ''لیکن سوائے امام اور کسیکے قول سے ہمپر حجت قایم کرنا بعید از عقل ہے...'' (ایضاح الادلہ ص ۲۷۶ سطر نمبر ۱۹، ۲۰)

احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

''کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قولِ امام ہے۔''

(جاء الحق حصہ دوم ص ۹)

نعیمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت واحادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔'' (جاء الحق حصہ دوم ص ۹۱)

اہلِ حدیث کے نزدیک اس طرح کی تنگ نظری اور تقلید باطل ہے بلکہ مسائل اجتہادیہ میں جمہور سلف صالحین کو ترجیح دیتے ہوئے اجتہاد جائز ہے اور جو شخص اجتہاد نہیں کرتا وہ بھی قابلِ ملامت نہیں ہے لیکن ہم تو واضح دلیل نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد اور اس کے جواز کے قائل ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۹/ جون ۲۰۰۸ء)

حافظ زبیر علی زئی

سفر میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے ہر مکلّف انسان (وجن) پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں جیسا کہ مشہور و متواتر احادیث اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا: ((**إنك تقدم علٰی قوم من أهل الکتاب فلیکن أوّل ما تدعوهم إلٰی أن یوحّدوا اللّٰه تعالٰی، فإذا عرفوا ذلك فأخبرهم أن اللّٰه فرض علیهم خمس صلواتٍ في یومهم ولیلتهم ....**))

تم اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو لہٰذا سب سے پہلے انھیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینا، جب وہ اسے سمجھ لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے اُن پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ (صحیح بخاری: ۷۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۹)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ بے شک نماز مومنوں پر اپنے مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے۔ (النساء: ۱۰۳)

اس عام حکم سے وہ نمازیں مستثنیٰ ہیں جن کا جمع کرنا یعنی ایک نماز کا دوسری نماز کے ساتھ اکٹھا کر کے پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً:

عرفات میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرنا، مزدلفہ میں مغرب و عشاء کا جمع کرنا اور سفر میں دو نمازیں جمع کرنا۔ وغیرہ

اس مختصر اور جامع مضمون میں ان احادیث و آثار کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے جن سے سفر میں دو نمازیں جمع کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۔ سفر میں مطلق جمع بین الصلوٰتین کا ثبوت

① نافع سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کو جب

سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے۔

(موطأ امام مالک ۱/۱۴۴ح ۳۲۷ وسندہ صحیح، روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم بتحقیقی: ۱۹۹، صحیح مسلم: ۴۲/۷۰۳)

اس مفہوم کی روایت سالم بن عبداللہ بن عمر عن ابیہ کی سند کے ساتھ بھی موجود ہے۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۱۱۰۶، صحیح مسلم: ۴۵/۷۰۳)

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱۱۰۷، صحیح مسلم: ۵۱/۷۰۵، ترقیم دارالسلام: ۱۶۳۰)

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۱۰۸، صحیح مسلم: ۷۰۴، دارالسلام: ۱۶۲۵)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج کے زوال سے پہلے سفر (شروع) کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کر کے دونوں نمازوں کو جمع کرتے تھے اور اگر آپ کے سفر سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر کی نماز پڑھ کر سوار ہو جاتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۱۱۱۱، صحیح مسلم: ۷۰۴)

④ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں ظہر و عصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔

راوی نے اپنے استاذ سے پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: آپ کا ارادہ تھا کہ آپ کی اُمت کو حرج (تکلیف) نہ ہو۔

(صحیح مسلم: ۵۳/۷۰۶، دارالسلام: ۱۶۳۲، وسندہ صحیح)

⑤ عمر بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) جب سورج غروب ہونے اور اندھیرا چھا جانے کے وقت سفر کرتے تو (سواری سے) اتر کر مغرب کی نماز پڑھتے پھر شام کا کھانا کھاتے پھر عشاء کی نماز پڑھتے۔ اس کے بعد سفر کرتے اور فرماتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

(سنن ابی داود: ۱۲۳۴، وسندہ صحیح، زوائد المسند ۱/۱۳۶ ح ۱۱۴۳)

⑥ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر مؤخر کر کے اور عصر جلدی پڑھتے تھے اور مغرب مؤخر کر کے اور عشاء جلدی پڑھتے تھے۔

(مسند احمد ۱۳۵/۶ ح ۲۵۰۳۹ وسندہ حسن، مصنف ابن ابی شیبہ ۴۵۷/۲ ح ۸۲۳۸، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱۶۴/۱، مغیرہ بن زیاد جمہور کے نزدیک موثق اور قولِ راجح میں حسن الحدیث ہیں۔)

۲۔ آثارِ صحابہ وتابعین

① جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو سفر میں جلدی ہوتی تو شفق غائب ہونے کے بعد مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۴۳/۷۰۳)

آپ کو جب (سفر میں) جلدی ہوتی تو مغرب کی تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے، پھر تھوڑی دیر کے بعد عشاء کی اقامت ہوتی تو دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے تھے۔ ان دو نمازوں کے درمیان اور عشاء کے بعد درمیانی شب تک کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۱۱۰۹)

نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) جب سفر کرتے تو ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے، ایک کو مؤخر کرتے اور دوسری کو معجّل (جلدی) کر کے پڑھ لیتے تھے۔ (الاوسط لابن المنذر ۴۲۸/۲ ث ۱۱۵۴، وسندہ صحیح)

② ابو عثمان عبدالرحمٰن بن مل النہدی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں اور (سیدنا) سعد بن مالک (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) اکٹھے جا رہے تھے، ہمیں حج کی جلدی تھی لہٰذا ہم ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر رہے تھے۔ ایک کو مقدم اور دوسری کو مؤخر کر دیتے تھے۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۱۶۶/۱، وسندہ حسن)

③ عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں حج میں (سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، آپ ظہر مؤخر کر کے اور عصر جلدی پڑھتے تھے، مغرب مؤخر کر کے اور عشاء جلدی پڑھتے تھے اور صبح کی نماز روشنی میں پڑھتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ۱۶۶/۱، وسندہ حسن)

تنبیہ: مرفوع احادیث اور جمہور آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھنی چاہیئے اور یہی افضل ہے۔

④ سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سفر میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۷ ح ۸۲۳۵ وسندہ صحیح)

⑤ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور منزل سے دور ہو اور جلدی بھی ہو تو (دونمازیں) جمع کر کے سفر شروع کرو۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۶۴، وسندہ صحیح، الاوسط لابن المنذر ۲/۴۲۳)

⑥ ابوالشعثاء جابر بن زید رحمہ اللہ سفر میں دونمازیں جمع کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۷ ح ۸۲۳۷ وسندہ حسن)

⑦ عطاء بن ابی رباح کے نزدیک سفر میں ظہر اور مغرب کی نمازوں میں تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۸ ح ۸۲۴۲ وسندہ صحیح)

⑧ امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ سے سفر میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے..... (الموطأ ۱/۱۴۵ ح ۳۳۰ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۶۵)

⑨ زید بن اسلم، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، محمد بن المنکدر اور ابوالزناد رحمہم اللہ ظہر وعصر کی نمازیں (سفر میں) جمع کر لیتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۶۵، ۱۶۶، وسندہ حسن)

⑩ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو جب جلدی ہوتی تو سفر میں دونمازیں جمع کر لیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۸ ح ۸۲۴۱ وسندہ حسن)

روایتِ مذکورہ میں سعید بن ایاس الجریری کے شاگرد ابواسامہ حماد بن اسامہ کا ان سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ان کی روایت سے پتا چلتا ہے۔

دیکھئے الکواکب النیرات (ص ۱۸۶، ۱۸۵)

روایاتِ مذکورہ اور آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت ہوا کہ سفر میں دونمازیں جمع کر کے پڑھنا

جائز ہے۔

۳۔ جمع تاخیر

جمع تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ نمازِ ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت میں پڑھا جائے اور اس کے فوراً بعد یا کچھ دیر بعد عصر کی نماز پڑھی جائے۔

① سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کر دیتے، پھر دونوں نمازیں جمع کر لیتے تھے....الخ
(صحیح بخاری:۱۱۱۱، صحیح مسلم:۷۰۴)

② سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سفر میں شفق غائب ہونے سے ایک گھڑی بعد مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۶۰، وسندہ صحیح)

شفق غائب ہونے کے بعد ستارے اچھی طرح نظر آنے لگے تھے۔
دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/۱۶۰، ۱۶۱، وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۱۲۱۷)
معلوم ہوا کہ جمع تاخیر جائز ہے۔

۴۔ جمع تقدیم

① امام قتیبہ بن سعید الثقفی بیان کرتے ہیں: ''**حدثنا لیث عن یزید بن أبي حبیب عن أبی الطفیل عامر بن واثلة عن معاذ أن النبي ﷺ کان في غزوة تبوك إذا ارتحل قبل زیغ الشمس أخّر الظهر حتی یجمعها إلی العصر یصلیها جمیعًا، و إذا ارتحل بعد زیغ الشمس صلّی الظهر والعصر جمیعًا ثم سار ...**''

ہمیں لیث (بن سعد) نے حدیث بیان کی وہ یزید بن ابی حبیب سے وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ (رضی اللہ عنہ) سے وہ معاذ (بن جبل رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں زوالِ شمس سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ دونوں نمازیں جمع کرتے تھے اور اگر زوالِ شمس کے بعد سفر کرتے تو ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے سفر شروع

کر دیتے تھے.... (مسند احمد ۲۴۱/۵، ۲۴۲ ح ۲۲۰۹۴ وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۱۲۲۰)

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں اور کوئی علتِ قادحہ موجود نہیں ہے۔

اسے درج ذیل علماء نے صحیح وحسن قرار دیا ہے:

۱: ترمذی (سنن الترمذی: ۵۵۳ وقال: "حسن غریب")

امام ترمذی یہ حدیث بیان کر کے فرماتے ہیں:

"و بهذا الحديث يقول الشافعي و أحمد و إسحاق يقولان: لا بأس أن يجمع بين الصلوٰتين في السفر في وقت إحداهما" اسی حدیث کے مطابق (امام) شافعی فتویٰ دیتے تھے، احمد (بن حنبل) اور اسحاق (بن راہویہ) دونوں کہتے تھے: سفر میں دونوں نمازوں کے اوقات میں سے کسی کے وقت میں (مثلاً ظہر کے وقت میں عصر اور عصر کے وقت میں ظہر) دو نمازیں جمع کرنا جائز ہے۔ (ص ۱۴۵ ح ۵۵۴)

۲: ابن حبان (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۴۵۶، دوسرا نسخہ: ۱۴۵۸)

۳: ابن القیم (اعلام الموقعین ۴۲۲/۲ وقال: "و إسناده صحيح وعلته واهية" دوسرا نسخہ ص ۵۹۵ مثال: ۷۲)

ان کے مقابلے میں ابوحاتم الرازی نے اسے معلول قرار دیا ہے۔

دیکھئے علل الحدیث (۹۱/۱ ح ۲۴۵)

ابوعبداللہ الحاکم نے معلول ہونے کا رد کرتے ہوئے اسے شاذ اور موضوع قرار دیا ہے۔

دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث (ص ۱۲۰ ح ۲۹۱، ۲۹۴)

موضوع کے حکم کی تائید کے لئے حاکم نے ابوالحسن محمد بن موسیٰ بن عمران الفقیہ سے نقل کیا ہے کہ ہمیں محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے حدیث بیان کی، انھوں نے فرمایا: میں نے صالح بن حفصویہ النیسابوری جو صاحبِ حدیث تھے، سے سنا، میں نے محمد بن اسماعیل البخاری سے سنا: میں نے قتیبہ بن سعید سے کہا: آپ نے یہ حدیث کس کے ساتھ مل کر لکھی ہے؟ انھوں نے کہا: خالد المدائنی کے ساتھ۔ بخاری نے کہا: خالد المدائنی محدثین کی کتابوں میں حدیثیں لکھ کر داخل کر دیتا تھا۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم نسخہ جدیدہ ص ۳۷۹)

اس تجریحی قصے کا پہلا راوی محمد بن موسیٰ بن عمران الفقیہ الصید لانی فہم کے باوجود مغفل تھا۔ دیکھئے لسان المیزان (۴۰۲/۵، دوسرا نسخہ ۵۷۲/۶) اور تاریخ نیسابور طبقۃ شیوخ الحاکم، جمع وتحقیق مازن البیروتی (ص ۴۸۱)

اس قصے کا دوسرا راوی صالح بن حفصویہ نامعلوم ہے؟ لہٰذا یہ قصہ امام بخاری سے ثابت ہی نہیں ہے اور قتیبہ بن سعید جیسے ثقہ حافظ امام کے بارے میں یہ سمجھنا کہ خالد المدائنی (متروک) نے ان کی کتاب میں اضافہ کردیا تھا اور انھیں پتا بھی نہ چلا، سرے سے مردود ہے۔

خلاصہ یہ کہ درج بالا حدیث صحیح ہے اور نیموی تقلیدی کا آثار السنن (ح ۸۵۴) میں اسے ''**حديث ضعيف جدًا**'' کہنا غلط و باطل ہے۔

تنبیہ: روایت مذکورہ کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ دیکھئے کتب اسماء الرجال اور تقریب التہذیب وغیرہ۔ سنن ابی داود (۱۲۲۰) میں امام قتیبہ کی بیان کردہ روایت پر کوئی جرح مذکور نہیں بلکہ صرف یہ لکھا ہوا ہے کہ اس حدیث کو صرف قتیبہ اکیلے نے بیان کیا ہے۔ عرض ہے کہ قتیبہ ثقہ ثبت ہیں۔ (تقریب التہذیب:۵۵۲۲)

صحیحین میں ان کی روایتیں کثرت سے موجود ہیں لہٰذا ان کا تفرد چنداں مضر نہیں ہے۔

④ بارش میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جمع تقدیم بھی ثابت ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (ان شاء اللہ) اسی پر قیاس کرتے ہوئے اور امام قتیبہ کی بیان کردہ حدیث کو مدّنظر رکھتے ہوئے سفر میں جمع تقدیم بھی جائز ہے۔

۵۔ جمع صوری

ظہر کی نماز کو ظہر کے آخری وقت میں اور عصر کی نماز کو عصر کے اول وقت میں پڑھنا جمع صوری کہلاتا ہے۔ اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح جمع صوری کا ثبوت ملتا ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۱۲۱۲، وسندہ صحیح)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ سفر میں جمع بین الصلوٰتین کی تینوں قسمیں: جمع تاخیر، جمع تقدیم اور جمع

صوری پر عمل کرنا جائز ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا سفر اور حضر میں دو نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں اور یہ کیسے جمع ہوں گی؟ انھوں نے فرمایا: ظہر کو مؤخر کیا جائے تا کہ عصر کا اول وقت داخل ہو جائے تو اُتر کر دونوں نمازیں جمع کر لی جائیں اور اسی طرح مغرب کو مؤخر کیا جائے گا۔ اگر جمع تقدیم کر لے تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: جس طرح (امام) احمد نے کہا ہے بات اسی طرح ہے سوائے: میرے خیال میں کے، یعنی یہی بات یقیناً صحیح ہے۔ دیکھئے مسائل احمد واسحاق روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج (۱/۱۲۳، فقرہ:۱۶۴) اور سنن الترمذی (۵۵۴)

''تو اُتر کر'' کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ جمع بین الصلوٰتین کا تعلق حضر کے ساتھ نہیں بلکہ سفر کے ساتھ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ بھی سفر میں جمع بین الصلاتین کے قائل تھے۔

دیکھئے کتاب الام (۱/۷۷) اور سنن الترمذی (۵۵۴)

۶۔ بارش میں دو نمازوں کا جمع کرنا

① سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں، نہ خوف تھا اور نہ بارش تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے فرمایا: آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اُمت کو حرج نہ ہو۔ (صحیح مسلم:۷۰۵، ترقیم دارالسلام:۱۶۳۲)

اس حدیث کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ بارش اور حالتِ خوف میں دو نمازیں جمع کرنا جائز ہے ورنہ اس روایت میں ان کی نفی کی ضرورت کیا تھی؟

② صحیح بخاری کی ایک روایت کے راوی امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بارش میں جمع کی ہو۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۴۳)

③ جب بارش میں امراء مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرتے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان

کے ساتھ جمع کر لیتے تھے۔ (الموطأ للامام مالک ۱/۱۴۵ ح ۳۲۹، وسندہ صحیح)

نافع سے روایت ہے کہ ہمارے حکمران جب بارش والی رات مغرب کی نماز لیٹ کرتے اور عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے پہلے جلدی پڑھتے تو ابن عمر (رضی اللہ عنہ) ان کے ساتھ پڑھ لیتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، قاسم (بن محمد بن ابی بکر) اور سالم (بن عبداللہ بن عمر) کو میں نے دیکھا ہے وہ ایسی رات میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۴ ح ۶۲۶۶ وسندہ صحیح)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ بارش میں جمع تقدیم بھی جائز ہے کیونکہ شفق غائب ہونے سے پہلے نمازِ عشاء کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا۔

④ بارش والی رات میں سعید بن المسیب رحمہ اللہ حکمرانوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۴ ح ۶۲۶۷ وسندہ حسن)

⑤ ابان بن عثمان (بن عفان)، عروہ بن الزبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بارش والی رات مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر لیتے تھے اور کوئی بھی اس (عمل) کا رد نہیں کرتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۴، ۲۳۵ ح ۶۲۶۸ وسندہ صحیح)

⑥ ابومودود عبدالعزیز بن ابی سلیمان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے بارش والی رات ابوبکر بن محمد کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۳۵، ۶۲۶۹، وسندہ حسن)

تنبیہ: بعض لوگ شرعی عذر کے بغیر حضر (اپنے گھر، گاؤں اور شہر) میں دو نمازیں جمع کرتے رہتے ہیں، یہ عمل کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے بلکہ سراسر مخالف ہے لہٰذا ایسے امور سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے اقوال ''آپ کا ارادہ تھا کہ امت کو حرج نہ ہو'' سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ حالتِ عذر میں رفعِ حرج کے لئے جمع بین الصلوتین جائز ہے ورنہ ہر نماز کو اس کے اپنے وقت پر پڑھنا ہی فرض ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۰/ مئی ۲۰۰۸ء)

تحریر: امام ابن جوزی رحمہ اللہ ترجمہ: محمد صدیق رضا

اللہ کے ساتھ شرک

[امام ابن الجوزی رحمہ اللہ عالم اسلام کی ایک جلیل القدر شخصیت ہیں جن کے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ''الشیخ ، الإمام، العلامة، الحافظ المفسّر ، شیخ الإسلام ، مفخر العراق''

(سیر اعلام النبلاء ۲۱/۳۶۵)

آپ کی بہت سی تصانیف عالمِ اسلام میں شائع و ذائع اور متداول ہیں، انھیں میں ایک کتاب ''تذکرۃ اولی البصائر فی معرفۃ الکبائر'' ہے جس میں آپ نے کبیرہ گناہوں سے متعلق امتِ مسلمہ کو باخبر کیا اور ان کی قباحت و شناعت کو واضح کیا تا کہ لوگ ان سے اجتناب کی سعی و جہد کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کے مستحق بن جائیں۔ ان میں ''الکبیرۃ الاولیٰ'' کے عنوان سے آپ نے دینِ اسلام میں سب سے بڑے گناہ شرک پر بحث فرمائی ہے۔ ہر شخص کے ساتھ اختلاف کیا جا سکتا ہے سوائے امامِ کائنات فخرِ موجودات محمد ﷺ کے کہ آپ کی ہر بات و عمل سے اتفاق صرف ضروری ہی نہیں بلکہ شرطِ ایمان ہے۔ واللّٰہ یوفقنا

استاذی المحترم فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی صاحب حفظہ اللہ کی خواہش و حکم پر ناچیز نے قارئینِ ''ماہنامہ الحدیث'' کے لئے اس کتاب کے ''الکبیرۃ الاولیٰ'' کا ترجمہ کر دیا ہے۔

اللہ عزوجل اسے لوگوں کے لئے مفید بنائے۔ آمین /محمد صدیق رضا]

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا﴾ یقیناً اللہ اس بات کی مغفرت نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جو گناہ وہ چاہے بخش دے۔ (النسآء:۴۸)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔(لقمان:۱۳)
اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے کہ ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ﴾ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تو اللہ (تعالیٰ) نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (المائدہ:۷۲)
جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے پھر اس حال میں مرے کہ وہ مشرک ہو تو وہ قطعی جہنمیوں میں سے ہوگا اگرچہ اُس نے کتنے ہی نیک اعمال کئے ہوں۔اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے متعلق خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:
﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾ اور ہم اس کی طرف آئیں گے، انھوں نے جو کوئی بھی عمل کیا ہوگا ہم اُسے بکھرا ہوا غبار بنادیں گے۔ (الفرقان:۲۳)
پھر اس (مشرک) کا قتل بھی مباح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ پس مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ انھیں قتل کردو۔[1]
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ)) جس کسی نے اپنا دین (اسلام) بدل دیا (یعنی اسلام کو چھوڑ کر کافر ہوا) اسے قتل کردو۔(صحیح البخاری:۳۰۱۷)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:
((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ؟ اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ ... إلخ))

(۱) واضح رہے کہ یہ کام عوام کا نہیں بلکہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ دعوئ اسلام کے باوجود شرک میں مبتلا ہونے والوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کریں، رجوع نہ کرنے کی صورت میں ان کے خلاف اسلامی احکام کے مطابق برتاؤ کریں، جس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کیا اس طرح ان کے ساتھ جہاد کریں۔توحید کا مسئلہ بہرحال نماز وزکوٰۃ سے اہم ومقدم ہے۔نیز محض کسی طبقہ یا گروہ سے تعلق ہی مجرم بنانے کے لئے کافی نہیں جب تک کہ فرد خاص سے جرم ثابت نہ ہو جائے، بلاشبہ بعض سنجیدہ اہل علم اور بکثرت عوام قبر پرستی کے شرک سے متنفر ومحفوظ ہیں، اس لئے محض کسی فرقے سے تعلق کی بنیاد پر انھیں اس جرم کے ساتھ متہم نہیں کیا جاسکتا مگر جو مبتلائے شرک ہیں ان کی روک تھام کے لئے تمام اسلامی احکام کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی ریاست کو اپنی ذمہ داری نبھانا ازحد ضروری ہے۔ /محمد صدیق رضا

کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہ کے متعلق نہ بتلاؤں؟ (پھر فرمایا:) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا.......... (صحیح البخاری ۲۶۵۴، مسلم: ۸۷)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: ((اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ ... إلخ))

سات (۷) ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو...الخ (صحیح البخاری: ۲۷۶۶، صحیح مسلم: ۸۹)

(شرک کیا ہے؟) شرک یہ ہے کہ اللہ جل مجدہ کے لئے کوئی شریک بنانا یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اُس کے علاوہ کسی حجر، شجر، بشر یا چاند، سورج، ستارے یا کسی نبی علیہ السلام، جن یا فرشتے اور پیر وغیرہ کی عبادت کی جائے۔

(قبر پرستی) دینِ اسلام کی طرف منسوب ہونے والے بعض جہال اپنی جہالت کی بنا پر ان امور میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مشائخ میں سے کسی شیخ کی طرف منسوب ہیں، جیسے پیر احمد ابن الرفاعی (بانی سلسلۂ رفاعیہ) یا پیر یونس اور پیر عدی یا ان کے علاوہ کسی اور شیخ کی طرف خود کو منسوب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان پیروں کے ذکر و محبت میں وارفتہ رہتے ہیں، ان کی قبروں پر (مجاوری اختیار کرتے ہوئے) معتکف رہتے ہیں، انھیں چومتے اور سجدہ کرتے ہیں، ان مشائخ سے مشکل کشائی کی فریادیں کرتے ہیں، بخشش اور اپنی حاجات و ضروریات پوری کرنے کی درخواست و عرضیاں پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ قبر پرستی ہی بتوں کی پوجا میں مبتلا ہو جانے کی بنیاد بنی، اور یہ قبر پرستی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ لات وعزیٰ: جن کی مشرکین عبادت کیا کرتے تھے۔ (انسان و مخلوق تھے۔)

مجاہد، ابوصالح اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ ﴾ میں لات کو تشدید کے ساتھ پڑھا اور اس سے متعلق کہا: یہ نیک آدمی تھا حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا جب یہ فوت ہوا تو مشرکین نے اس کی قبر پر اعتکاف کیا اور اس کی عبادت کرنے لگے۔ عزیٰ تو وہ ایک درخت (کو کہا جاتا) تھا، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انھوں نے اُسے کاٹ ڈالا۔ (مسند ابی یعلیٰ: ۹۰۲ وسندہ حسن)

علماء نے یہ بھی بیان کیا کہ ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نیک لوگوں کے نام ہیں جو سیدنا آدم اور سیدنا نوح علیہما السلام کے درمیانی عرصہ کے لوگ تھے۔ امام محمد بن جریر الطبری اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ثوری نے موسیٰ سے اور انھوں نے محمد بن قیس سے نوح علیہ السلام کے اس قول: ﴿ وَّلَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴾ (نوح:۲۳) کے متعلق فرمایا:

یہ نوح اور آدم علیہما السلام کے درمیانی دور کے نیک لوگ تھے، ان کے کچھ پیروکار تھے جو ان کی اقتدا کیا کرتے تھے، جب یہ فوت ہوئے تو ان کی پیروی کرنے والے لوگوں نے کہا: کیوں نہ ہم ان بزرگوں کی تصاویر بنالیں، یہ طریقہ ہمیں عبادت کی طرف زیادہ شوق دلائے گا کہ جب بھی ہم انھیں یاد کریں گے۔ پھر انھوں نے ان کی تصاویر بنالیں جب یہ تصاویر بنانے والے فوت ہوگئے اور ان کے بعد والی نسلیں آئیں تو ابلیس نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی اور کہا کہ تمھارے یہ بڑے انھی کی عبادت کیا کرتے تھے۔ انھیں کے وسیلے سے بارش طلب کرتے تھے، پھر بعد والے ان کی عبادت کرنے لگے۔

قتادہ نے کہا: یہ آلھہ (معبود) ہیں کہ نوح علیہ السلام کی قوم جن کی عبادت کیا کرتی تھی پھر ان کے بعد عرب کے لوگوں نے بھی انھیں معبود بنالیا، اس سے ظاہر ہوا کہ اولیاء و صالحین کی تصویروں کی (ناجائز) تعظیم ہی اوثان و اصنام کی عبادت کی بنیاد بنی ہیں۔ اسی لئے شارع علیہ السلام نے قبروں کی تعظیم، وہاں نماز پڑھنے اور ان پر اعتکاف کرنے سے منع فرمایا، چونکہ اسی چیز نے گزشتہ امتوں کو شرک اکبر میں مبتلا کردیا۔

اور اسی سبب سے ہم بعض ایسی گمراہ قوموں کو پاتے ہیں جن پر شیطان غالب آچکا ہے۔ وہ قبروں کے سامنے اور اپنے مشائخ کا تذکرہ سنتے وقت عاجزی و انکساری سے گڑگڑاتے رہتے ہیں اور دل سے خشوع و خضوع کے ساتھ ان کی ایسی عبادت کرتے ہیں جیسی عبادت نہ مساجد میں کرتے ہیں نہ ہی سحری کے سنہری اوقات میں اور ان گمراہ لوگوں میں سے کچھ لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں، یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے باسند صحیح یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:
((اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ فِي الْأَرْضِ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَومٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ)) اے اللہ! میری قبر کو ایسا نہ بنانا کہ زمین میں اُس کی عبادت کی جائے، اللہ کا سخت غضب ہوا اس قوم پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ (مسند احمد ۲۴۶/۲ ح ۷۳۵۸، مسند حمیدی: ۱۰۲۵، نسخہ ظاہریہ: ۱۰۳۱، وسندہ حسن)

(اس فرمان کے ذریعے سے) نبی ﷺ اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کے طرزِ عمل سے ڈرا رہے تھے، جب (انبیاء علیہم السلام اور) آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ کرنے پر اسقدر شدید وعید ہے تو ان کے علاوہ ان مشائخ کو سجدہ کرنے سے متعلق کیا گمان کیا جا سکتا ہے (یعنی اس کی وعید کس قدر سخت ہوگی؟)

نبی کریم ﷺ نے قبروں کے درمیان نماز پڑھنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:
((لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ، وَلَا تُصَلُّوْا إِلَيْهَا))
قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم: ۹۷۲، مسند احمد ۱۳۵/۴)

اسی طرح اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے ان مشائخ سے فریادیں کرنا، ان کی قسمیں کھانا، ان کے تذکرے کے وقت رقت طاری کرنا جو کہ یہ لوگ ذکر الٰہی اور آیاتِ قرانیہ سنتے وقت بھی نہیں کرتے تو یہ امور بھی ممنوع ہیں۔

جس کسی نے غیر اللہ سے (مافوق الاسباب طور پر) مدد طلب کی جیسا کہ یہ مشائخ کے عشق میں دیوانے (متوالے) لوگ کہا کرتے ہیں۔ یا سیدی یا شیخ فلان (یا غوث پاک المدد، یا معین الدین چشتی وغیرہ وغیرہ) تو اُس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے غیر کو شریک ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾
پس اللہ تعالیٰ کے شریک نہ بناؤ جبکہ تم جانتے ہو۔ (البقرہ: ۲۲)
''انداد''، یعنی شرکاء جن سے تم مدد طلب کرتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ))
جب تو کچھ مانگے تو اللہ سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر۔

(ترمذی: ۲۵۱۶ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' وسندہ حسن)

جب کسی نے غیر اللہ سے مغفرت طلب کی یا اپنی حاجت برلانے کی درخواست کی یا (مافوق الاسباب طور پر) مدد طلب کی اُس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، اسی طرح غیر اللہ کی قسم کھائی جیسے فلاں شیخ کی زندگی کی قسم، یا نبی ﷺ، کعبہ یا امانت کی قسم کھانا سخت منع ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی شخص کو کعبہ کی قسم کھاتے ہوئے سنا تو فرمایا: غیر اللہ کی قسم مت کھاؤ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ وَأَشْرَكَ)) جس کسی نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے کفر و شرک کیا۔ (مسند احمد: ۲/۶۹، ترمذی: ۱۵۳۵، مستدرک ۴/۲۹۷، حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ حَلَفَ بِالْأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا))
جس کسی نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں۔

(ابوداود: ۳۲۵۳، وسندہ صحیح، ابن حبان: ۴۳۶۲، مسند احمد: ۲۲۹۸۰)

نسائی نے قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون قتیلہ (رضی اللہ عنہا) کی سند سے بیان کیا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک یہودی حاضر ہوا اور کہا: آپ (کی قوم کے) لوگ شرک کرتے ہیں (جب یہ) کہتے ہیں کہ جو اللہ چاہے اور تم چاہو اور کہتے ہیں کعبہ کی قسم، تو نبی ﷺ نے انھیں (صحابہ کو) حکم دیا کہ جب وہ قسم کا ارادہ کریں تو یوں کہیں: ربِ کعبہ کی قسم اور یہ کہیں کہ جو اللہ چاہے پھر آپ چاہیں۔ (سنن نسائی: ۳۸۰۴ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:
(([إِنَّ] الرُّقىٰ والتَّمَائِمَ والتِّوَلَةَ شِرْكٌ)) (شرکیہ) جھاڑ پھونک، منکے اور محبت پیدا کرنے کے لئے کئے جانے والے عملیات شرک ہیں۔

(سنن ابی داود: ۳۸۸۳ وسندہ ضعیف / الاعمش مدلس وعنعن)

تولہ: جادو کی ایک قسم ہے جو شوہر کے دل میں بیوی کی محبت پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

تمائم: تمیمہ کی جمع ہے یہ وہ منکا ہے جو بچے کے گلے میں اس زعم سے لٹکاتے ہیں کہ یہ نظرِ بد کو ٹالتا ہے۔ (یہ زعم باطل ہے۔)

اسی طرح اعمال میں ریا کاری، نیک عمل کا مقصد لوگوں کو دکھلانا یا یہ مقصود ہو کہ اس کے متعلق یہ کہا جائے: نیک آدمی ہے یا بڑا دیندار ہے اور اس کی تعریفیں کی جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میں تمھاری طرح کا ایک بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے تمھارا الٰہ تو بس ایک الٰہ ہے پس جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کا یقین رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے، اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ کرے۔ (الکہف:۱۱۰)

تو لوگوں کو دکھلانے کے لئے اعمالِ صالحہ کرنا شرک اصغر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((يَقُوْلُ اللّٰهُ - عَزَّوَجَلَّ -: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ، فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيْ غَيْرِيْ ، فَهُوَ لِلَّذِيْ اَشْرَكَ ، وَاَنَا مِنْهُ بَرِيْءٌ))

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمام شریک ٹھہرانے والوں کے شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جو کوئی ایسا عمل کرے کہ اس میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرائے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم:۲۹۸۵، مسند احمد:۷۹۹۹، ابن ماجہ:۴۲۰۲)

اور صحیح مسلم میں ایسے تین لوگوں کے بارے میں حدیث ہے جو اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے، قرآن کا قاری، مجاہد اور سخی، اس لئے کہ ان کی قراءت، جہاد اور سخاوت لوگوں کو دکھلانے کے لئے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر اُس شرک سے محفوظ رکھے کہ جسے ہم جانتے ہیں اور جسے ہم نہیں جانتے، اس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، یقیناً وہ اللہ سخی کریم ہے۔ (الکبیرۃ الاولیٰ ختم ہوا۔)

حافظ زبیر علی زئی

اختصار علوم الحدیث (قسط نمبر۳)

(۳) تیسری قسم: ضعیف حدیث

(ابن الصلاح نے) کہا: جس روایت میں (مقبول حدیث) صحیح اور حسن کی سابقہ مذکورہ شرائط جمع نہ ہوں وہ ضعیف حدیث ہوتی ہے۔

پھر انھوں نے ضعیف روایات کی تعداد اور صحیح کی ایک یا اکثر یا ساری شرائط کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی مختلف قسموں پر کلام کیا۔

اس لحاظ سے ضعیف حدیث: موضوع، مقلوب، شاذ، معلّل (معلول)، مضطرب، مرسل، منقطع اور معضل وغیرہ اقسام میں منقسم ہے۔

(۴) چوتھی قسم: مُسْنَد

حاکم (نیشاپوری) نے کہا: (مُسند اسے کہتے ہیں) جس کی سند رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو۔ [معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۷]

خطیب (بغدادی) نے کہا: جس کی سند آخر تک متصل ہو۔ [الکفایہ ص ۵۸]

ابن عبدالبر نے کہا: جو روایت رسول اللہ ﷺ سے مروی ہو چاہے متصل ہو یا منقطع (وہ مسند کہلاتی ہے)۔ [التمہید ۱/ ۲۵] یہ تین اقوال ہیں۔(۱)

(۵) پانچویں قسم: مُتَّصِل

اسے موصول بھی کہا جاتا ہے۔ یہ روایت ارسال اور انقطاع کی نفی کرتی ہے اور وہ تمام روایات اس (کے مفہوم) میں شامل ہیں جو نبی ﷺ تک مرفوع، صحابی پر موقوف یا نچلے راوی (مثلاً تابعی و تبع تابعی) تک (متصلاً) پہنچی ہے۔

(۱) ان میں ابن عبدالبر کا قول زیادہ مشہور ہے اور کتبِ مسانید میں اسی پر عمل ہے۔

(۶) چھٹی قسم: مرفوع

جو (روایت) نبی ﷺ کی طرف منسوب کی جائے، چاہے قول ہو یا فعل، متصل ہو یا منقطع ہو یا پھر مرسل ہو (اُسے مرفوع کہتے ہیں۔)

خطیب (بغدادی) نے مرسل کے مرفوع ہونے کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: (مرفوع وہ ہے) جسے رسول اللہ ﷺ سے صحابی بیان کرے۔[1] [الکفایہ ص۵۸]

(۷) ساتویں قسم: موقوف

بطورِ اطلاق موقوف روایت اسے کہتے ہیں جو صحابی کے ساتھ ہی خاص ہو۔ صحابہ کے بعد والے لوگوں پر یہ مقیّد (وصراحت) کے بغیر استعمال نہیں ہوتی۔ (مثلاً فلاں نے اسے محمد بن سیرین تابعی پر موقوف کیا ہے۔)

اس کی سند متصل اور غیر متصل (منقطع) ہوتی ہے۔ بہت سے فقہاء اور محدثین اسے اثر کہتے ہیں۔ ابن الصلاح نے خراسانیوں کی طرف منسوب کیا ہے کہ وہ موقوف کو اثر کہتے ہیں۔

(ابن الصلاح نے) کہا: ہمیں ابوالقاسم الفُورانی (متوفی ۴۶۱ھ) سے روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے کہا: جو روایت رسول اللہ ﷺ سے ہو اُسے خبر کہتے ہیں اور جو صحابہ سے ہو اُسے اثر کہتے ہیں۔ میں (ابن کثیر) کہتا ہوں: اسی وجہ سے جس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ کرام کے آثار ہوں انھیں بہت سے علماء ''السنن والآثار'' کہتے ہیں جیسے طحاوی کی السنن والآثار (شرح معانی الآثار) اور بیہقی کی (معرفۃ) السنن والآثار وغیرہ۔ واللہ اعلم

(۸) آٹھویں قسم: مقطوع

یہ تابعین پر موقوف روایت ہوتی ہے چاہے قول ہو یا فعل، یہ منقطع کے علاوہ ہوتی ہے۔

---

(۱) اس میں پہلی تعریف ہی راجح ہے۔ دیکھئے النکت علی ابن الصلاح للحافظ ابن حجر (ج۱ص۵۱۱)

(امام) شافعی اور طبرانی کی عبارتوں میں منقطع غیر متصل سند پر مقطوع کا استعمال کیا گیا ہے۔ شیخ ابوعمرو (ابن الصلاح) نے یہاں صحابہ کے قول ''ہم اس طرح کرتے تھے'' یا ''ہم یہ کہتے تھے'' پر بحث کی ہے کہ اگر وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی طرف منسوب نہ کریں تو یہ موقوف کی قسم میں سے ہے۔ اور اگر وہ اسے نبی ﷺ کے زمانے کی طرف منسوب کریں تو ابوبکر البرقانی (متوفی ۴۲۵ھ) نے اپنے استاذ ابوبکر الاسماعیلی سے نقل کیا ہے کہ ''یہ موقوف کی قسم میں سے ہے۔''

حاکم نیشاپوری اسے مرفوع سمجھتے ہیں (معرفۃ علوم الحدیث ص۲۲) کیونکہ یہ تقریر (نبی ﷺ کی طرف سے مقرر کئے جانے) پر دلالت کرتی ہے اور ابن الصلاح نے اسے ہی راجح قرار دیا ہے۔ [1] [علوم الحدیث ص۴۴]

(ابن الصلاح نے) کہا: اور اسی میں سے صحابی کا یہ قول: ''ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے'' یا ''لوگ ایسے ہی کرتے تھے'' یا ''ایسا ہی کہتے تھے'' یا ''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسا کہا جاتا تھا'' یہ مرفوع کی قسم میں سے ہے۔

صحابی کا یہ کہنا کہ ''ہمیں یہ حکم دیا گیا تھا'' یا ''ہمیں اس سے منع کیا گیا تھا''

اصحاب الحدیث (محدثینِ کرام) کے نزدیک مرفوع مسند ہے اور اکثر اہلِ علم کا یہی قول ہے۔ [2] ایک گروہ نے جس میں ابوبکر الاسماعیلی (بھی) ہیں، نے اس کی مخالفت کی ہے۔

اسی طرح صحابی کا یہ کہنا ''یہ سنت میں سے ہے'' اور (سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) کا کہنا کہ ''بلال (رضی اللہ عنہ) کو حکم دیا گیا تھا کہ اذان دوہری اور اقامت اکہری کہیں'' (مرفوع کے حکم میں ہے) [3]

(۱) جس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی صراحت ہو اور کسی صحیح صریح حدیث کے خلاف نہ ہو تو یہ مرفوع حکماً ہے۔ اگر ایسی روایت کسی صحیح حدیث یا مقبول دلیل کے خلاف ہے تو اسے صرف موقوف ہی سمجھا جائے گا۔ واللہ اعلم (۲) اس میں محدثینِ کرام اور اکثر اہلِ علم کا قول ہی راجح ہے۔

(۳) یہ روایت صحیح بخاری: ۶۰۵ و صحیح مسلم: ۳۷۸ میں ہے اور سنن نسائی میں صریح مرفوعاً بھی ثابت ہے۔

(ابن الصلاح نے) کہا: یہ جو کہا جاتا ہے کہ صحابی کی تفسیر مرفوع کے حکم میں ہے، یہ اس وقت ہے جب اس میں (آیت کے) نزول کا سبب وغیرہ بیان کیا گیا ہو۔[1]

اگر صحابی سے روایت کرنے والے (تابعی) ''حدیث مرفوع بیان کرتے تھے'' یا ''ینمیه'' (قائل تک پہنچاتے تھے) یا ''نبی ﷺ تک پہنچاتے تھے'' کے الفاظ کہے تو اہل حدیث (محدثین) کے نزدیک یہ صریح مرفوع کی قسم میں سے ہے۔ واللہ اعلم

(۹) نویں قسم: مرسل

ابن الصلاح نے کہا: اس کی اتفاقی (اجماعی) حالت یہ ہے کہ بڑے تابعی جنھوں نے صحابہ کی ایک جماعت کو پایا اور ان کے پاس بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا جیسے عبیداللہ بن عدی بن الخیار پھر سعید بن المسیب اور ان جیسے دوسرے جب ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' کہیں (تو یہ مرسل ہے۔)

(ابن الصلاح نے) کہا: مشہور تو یہی ہے کہ (نبی ﷺ سے منقطع روایت میں) تمام تابعین برابر ہیں۔ ابن عبدالبر نے بعض سے نقل کیا ہے کہ وہ چھوٹے تابعین کی مرسل روایتوں کو مرسل نہیں سمجھتے تھے۔

پھر حاکم (نیشاپوری) نے مرسل کو تابعین کے ساتھ مانا ہے اور جمہور فقہاء وعلمِ اصول کے ماہرین اسے عام سمجھتے ہیں چاہے تابعین کی مرسل روایت ہو (یا تبع تابعین وغیرہم کی)

میں (ابن کثیر) نے کہا: ابوعمرو بن الحاجب (النحوی) نے اپنی کتاب مختصر فی اُصول الفقہ (منتہی الوصول) میں کہا: غیر صحابی جب یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو اسے

....

(۱) یہ قول علی الاطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ تفسیرِ قرآن میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف ہوا تھا، انھوں نے بہت سی باتیں اجتہاد سے کہی ہیں۔ بعض صحابہ کرام مثلاً سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اہلِ کتاب سے اسرائیلی روایات بھی بیان کی ہیں لہٰذا اس میں تحقیق کرنی چاہئے۔ صحابی کے جس قول میں اجتہاد کا دخل نہ ہو اور یہ قول کتاب وسنت یا مقبول دلیل کے خلاف نہ ہو تو اسے مرفوع حکماً سمجھا جائے گا۔

مرسل کہتے ہیں۔ (منتہی الوصول ص ۸۸) یہ محدثین (وغیر محدثین) کی تعریفات ہیں۔ [1]

رہا دین میں مرسل کا حجت ہونا تو اس کا تعلق علمِ اصول سے ہے اور ہم نے اپنی کتاب ''المقدمات'' میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

(امام) مسلم نے اپنی کتاب (الصحیح) کے مقدمے میں کہا ہے: ''بے شک ہمارے اور علمائے حدیث کے قول میں مرسل حجت نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم ۱/۲۰) اور اسی طرح ابن عبدالبر نے اسے اصحاب الحدیث کی جماعت سے نقل کیا ہے۔ (التمہید ۱/۱۷)

ابن الصلاح نے کہا: ہم نے مرسل کے ضعیف اور ساقط از احتجاج ہونے کی بات کہی ہے، اسی پر جماعت حفاظِ حدیث اور ناقدینِ آثار کا اتفاق ہوا ہے اور اسے ہی انھوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

(ابن الصلاح نے) کہا: اس (مرسل) سے حجت پکڑنا ایک گروہ، مالک، ابوحنیفہ اور ان کے (بعض) ساتھیوں کا قول ہے۔ واللہ اعلم

میں (ابن کثیر) نے کہا: اور اسی طرح کا ایک قول امام احمد بن حنبل سے ایک روایت میں مروی ہے۔ [2]

(امام) شافعی نے (مختصر المزنی ۷۸ میں) سعید بن المسیب کی مرسل روایتوں کو حسن قرار دیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انھوں (شافعی) نے ان مرسل روایات کی تحقیق کی تو انھیں باسند پالیا۔ واللہ اعلم

---

(۱) راجح یہی ہے کہ تابعی کی رسول اللہ ﷺ سے منقطع روایت کو مرسل کہتے ہیں جبکہ دوسری منقطع روایات کو صرف منقطع وغیرہ کہتے ہیں۔

(۲) مرسل کا مطلقاً حجت ہونا مالک بن انس، ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ جو لوگ اسے حجت سمجھتے ہیں ان کی عملاً یہ شرط ہے کہ مرسل روایت ان کی نفسانی خواہشات اور اہواء کے مطابق ہو ورنہ پھر اللہ کی مخلوقات میں مرسل کو سب سے زیادہ ترک کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں۔

کتاب الرسالہ (ص ۴۶۱) میں ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ کبار تابعین کی مرسل روایات اگر دوسری سند سے آجائیں چاہے یہ سند مرسل ہی ہو یا کسی صحابی یا جمہور علماء کا قول اس کا مؤید ہو یا ارسال کرنے والے (تابعی) جب اپنے استاد کا نام لیں تو صرف ثقہ کا ہی نام لیں۔ اس حالت میں اس کی مرسل حجت ہوتی ہے اور یہ متصل کے درجے تک نہیں پہنچتی۔ [۱]

شافعی نے کہا: ہمارے علم کے مطابق کسی نے بھی بڑے تابعین کے علاوہ (چھوٹے تابعین کی) مرسل روایات کو قبول نہیں کیا۔

ابن الصلاح نے کہا: مراسیلِ صحابہ جیسے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) اور ان جیسے دوسرے صحابہ کی مرسل روایات متصل کے حکم میں ہیں کیونکہ وہ (نبی ﷺ کی احادیث) صحابہ سے بیان کرتے ہیں اور سارے صحابہ عادل ہیں، ان کا نامعلوم ہونا مضر نہیں ہے۔ واللہ علم

میں (ابن کثیر) نے کہا: بعض نے مراسیلِ صحابہ کے مقبول ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ [۲]

ابن الاثیر وغیرہ نے اس کے بارے میں اختلاف نقل کیا ہے۔ [۳]

یہی مذہب (مسلک) استاذ ابواسحاق الاسفرائنی سے مروی ہے: اس بات کا احتمال ہے کہ صحابہ نے یہ روایات تابعین سے لی ہوں۔ [۴]

اکابر نے اصاغر سے اور والدین نے اولاد سے روایتیں لی ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

تنبیہ: حافظ بیہقی اپنی کتاب ''السنن الکبریٰ'' وغیرہ میں اس روایت کو بھی مرسل کہتے ہیں

---

(۱) قولِ راجح میں مرسل روایت مردود ہوتی ہے چاہے کبار تابعین کی مرسل ہو یا صغار کی۔

(۲) حافظ ابن حجر نے کہا: محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابی کی مرسل روایت متصل کے حکم میں ہے۔ (ہدی الساری ص ۳۵۰)

(۳) ابن اثیر کی طرف اس قول کی نسبت میں نظر ہے۔

(۴) ابواسحاق الاسفرائنی کی طرف اس قول کی نسبت میں نظر ہے۔ جب تک کوئی قول صاحبِ قول سے اس کی کتاب میں یا باسند صحیح ثابت نہ ہو، مردود کے حکم میں ہوتا ہے۔

جسے کسی تابعی نے (بغیر نام لئے) ایک صحابی سے بیان کیا ہے۔

اگر وہ اس کے ساتھ اسے حجت نہیں سمجھتے تو لازمی طور پر مراسیلِ صحابہ بھی ان کے نزدیک حجت نہیں ہیں۔ واللہ اعلم [1]

(۱۰) دسویں قسم: منقطع

ابن الصلاح نے کہا: اس میں اور مرسل میں فرق کے بارے میں کئی مذاہب (مسالک) ہیں۔

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ سند سے ایک راوی گر جائے یا سند میں ایک مبہم راوی کا اضافہ ہو جائے۔

پہلی بات کی مثال ابن الصلاح نے یہ بیان کی ہے کہ عبدالرزاق نے ''**عن الثوري عن أبي إسحاق عن زيد بن يُثيع عن حذيفة**'' کی سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ''اگر تم ابوبکر کو امیر بنادو گے...... تو وہ قوی امین ہیں'' (معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۸، ۲۹)

کہا: اس میں دو جگہ انقطاع ہے۔

اول: عبدالرزاق نے اسے (سفیان) ثوری سے نہیں سُنا، اُنھوں نے تو اسے نعمان بن ابی شیبہ الجَنَد ی سے روایت کیا ہے (وہ ثوری سے بیان کرتے ہیں)۔

دوم: ثوری نے اسے ابو اسحاق (السَّبیعی) سے نہیں سُنا، وہ تو شریک (بن عبداللہ القاضی)

....

(۱) امام بیہقی کی کتاب القراءۃ خلف الامام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔ امام بیہقی ''معرفۃ السنن والآثار'' (۳/ ۸۴) میں فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے سارے صحابہ ثقہ ہیں لہٰذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں ہے۔''

فائدہ: تابعی اگر مدلس نہ ہو تو ''عن رجل من أصحاب النبي ﷺ'' کہے یا '' حدثني رجل من أصحاب النبي ﷺ'' کہے، اس کی روایت مقبول ہوتی ہے اور اگر وہ مدلس ہو تو پھر بغیر تصریحِ سماع کے اس کی روایت مقبول نہیں ہے۔

سے (اور وہ ابن اسحاق سے) بیان کرتے ہیں۔ [1]

انھوں نے دوسری مثال وہ روایت بیان کی ہے جسے ابوالعلاء بن عبداللہ بن الشخیر نے ''عن رجلين عن شداد بن أوس'' کی سند سے حدیث بیان کی ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''اے میرے اللہ! میں تجھ سے اس معاملے میں ثابت قدمی چاہتا ہوں۔''

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۲۷ وسندہ ضعیف، فیہ مجہول)

بعض نے کہا ہے کہ منقطع مرسل کی طرح ہر وہ روایت ہوتی ہے جس کی سند متصل نہ ہو اِلا یہ کہ عام طور پر مرسل اس کو کہا جاتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ سے تابعی بیان کرے۔

ابن الصلاح نے کہا: یہ زیادہ قریب (مناسب) ہے، فقہاء کے گروہ اسی پر گامزن ہیں اور خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''الکفایہ'' (ص ۲۱) میں اسے ذکر کیا ہے۔

(ابن الصلاح نے) کہا: خطیب نے بعض (ابوبکر البردیجی/متوفی ۳۰۱ھ) سے نقل کیا ہے کہ تابعی یا بعد کے راوی سے اس کے قول یا فعل کی روایت منقطع کہلاتی ہے۔

یہ (قول) عجیب وغریب ہے۔ واللہ اعلم

(۱۱) گیارہویں قسم: معضل

جس (روایت) کی سند سے (مسلسل) دو یا زیادہ راوی گر جائیں وہ معضل کہلاتی ہے۔ اسی میں سے تبع تابعی کی مرسل روایت ہے۔

ابن الصلاح نے کہا: اسی میں سے فقہائے مصنفین کا یہ قول ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''

خطیب نے اپنی بعض کتابوں میں اسے مرسل کہا ہے اور یہ اُن کے منہج پر ہے جو ہر غیر متصل (منقطع) روایت کو مرسل کہتے ہیں۔

[1] اس سند میں سفیان ثوری، ابواسحاق السبیعی اور عبدالرزاق بن ہمام سب کے سب مدلس ہیں اور مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے جیسا کہ بارہویں قسم میں آرہا ہے۔ ان شاء اللہ، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

ابن الصلاح نے کہا: (سلیمان بن مہران) الاعمش نے (عامر بن شراحیل) الشعبی سے بیان کیا: ''قیامت کے دن آدمی کو کہا جائے گا: تُو نے یہ یہ کام کیا تھا؟ (وہ کہے گا:) نہیں، تو اس کے مُنہ پر مہر لگادی جائے گی۔'' الخ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۸ وسندہ ضعیف، الاعمش عنعن)

انھوں (ابن الصلاح) نے کہا: اسے اعمش نے معضل بیان کیا ہے کیونکہ اسے شعبی انس (بن مالک) سے اور وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۲۹۶۹)

اعمش نے سند سے انس (رضی اللہ عنہ) اور نبی ﷺ کا ذکر حذف کردیا ہے لہٰذا یہ مناسب ہے کہ اسے معضل کہا جائے۔ (۱)

بعض نے یہ کوشش کی ہے کہ معنعن (عن والی) سند پر ارسال یا انقطاع کا اطلاق کریں۔ (اسے مرسل یا منقطع قرار دیں)

صحیح و معمول بہ یہ ہے کہ معنعن روایت متصل اور سماع پر محمول ہوتی ہے بشرطیکہ استاد و شاگرد ایک دوسرے کے معاصر ہوں اور تدلیس کے عیب سے بری ہوں۔

شیخ ابوعمرو الدانی المقرئ (اور حاکم/ دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۴) نے محدثین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے (کہ معنعن روایت ان دو شرطوں کے ساتھ متصل اور سماع پر محمول ہوتی ہے) اور قریب تھا کہ ابن عبدالبر بھی اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے۔ (۲)

میں (ابن کثیر) نے کہا: اسی پر (امام) مسلم نے اپنی صحیح میں اعتماد کیا ہے اور صحیح مسلم کے مقدمے میں ان لوگوں کا سخت رد کیا ہے جو معاصرت کے ساتھ ملاقات کی شرط بھی لگاتے ہیں۔ حتیٰ کہ (بعض کے نزدیک) وہ اس سے (امام) بخاری کو مراد لے رہے ہیں اور ظاہر

(۱) اعمش مشہور مدلس ہیں۔ اگر ان کے سماع کی تصریح مل جائے تو عین ممکن ہے کہ شعبی نے بذاتِ خود ایک دفعہ ''عن أنس عن النبي ﷺ'' کی سند سے یہ متن بیان کیا اور دوسری دفعہ اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہوئے یہ متن اپنے الفاظ میں بالجزم بیان کیا لہٰذا اس مثال میں نظر ہے۔

(۲) ابن عبدالبر نے اس معنعن روایت کے مقبول ہونے پر اجماع نقل کیا ہے جس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ (۱) راویوں کا ثقہ ہونا (۲) راویوں کی ایک دوسرے سے ملاقات (۳) تدلیس سے براءت

یہ ہے کہ ان (مسلم) کی مراد علی بن المدینی ہیں۔ (مسلم نے بخاری کا نہیں بلکہ ابن المدینی کا رد کیا ہے) کیونکہ وہ (ابن المدینی) صحیح حدیث کی شرط ہی ملاقات قرار دیتے ہیں جبکہ بخاری کے نزدیک صحتِ حدیث کی یہ اصل شرط نہیں لیکن انھوں نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس کا التزام کیا ہے۔ (۱)

ابوالمظفر السمعانی نے ملاقات کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ شاگرد اپنے استاد کے پاس لمبا عرصہ رہا ہو۔

ابوعمرو الدانی نے کہا: اگر وہ اپنے استاد سے روایت میں مشہور ہو تو اس کا عنعنہ مقبول ہوگا۔ (علی بن محمد بن خلف المعافری) القابسی نے کہا: اگر اُس نے اپنے استاد کو واضح طریقے سے پایا ہو۔

راوی اگر ''أنّ فلانًا قال'' (بے شک فلاں نے کہا) کہے تو اس میں اماموں کا اختلاف ہے کہ کیا یہ اس کے قول ''عن فلان'' (فلاں سے) کی طرح ہے تا کہ اسے اتصال پر محمول سمجھا جائے اِلا یہ کہ اس کے خلاف ثابت ہو جائے؟ یا اس کا قول ''أنّ فلانًا قال'' اس کے قول ''عن فلان'' سے نچلے درجے کا ہو؟

جیسا کہ احمد بن حنبل، یعقوب بن شیبہ اور ابوبکر البردیجی نے اس میں فرق کیا ہے۔ وہ ''عن'' کو متصل اور ''أنّ فلانًا قال کذا'' کو منقطع کے حکم میں سمجھتے ہیں اِلا یہ کہ اس کے خلاف ثابت ہو جائے۔

جمہور کے نزدیک ''عن فلان'' اور ''أنّ فلانًا قال'' متصل ہونے میں برابر ہیں جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا ہے۔ (دیکھئے التمہید ۱/۱۴)

(امام) مالک بن انس نے بھی یہی صراحت کی ہے۔

....

(۱) حافظ ابن حجر العسقلانی نے اس دعوے کی تردید کی ہے اور بتا دیا ہے کہ امام بخاری اپنی کتاب التاریخ میں بہت سی روایتوں کو عدمِ ملاقات کی وجہ سے معلول قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے النکت علی ابن الصلاح (۲/۵۹۵)

تذکرۃ الاعیان حافظ زبیر علی زئی

عبدالرحمٰن بن القاسم المصری رحمہ اللہ

اللہ کے فضل وکرم سے راقم الحروف نے موطأ امام مالک (روایۃ عبدالرحمٰن بن القاسم المصری) کی تحقیق وتخریج مکمل کر لی ہے، اسے امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ سے امام ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم المصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

نام ونسب: ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم بن خالد بن جنادہ العتقی المصری الفقیہ رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۳۲ھ یا ۱۲۸ھ واللہ اعلم

اساتذہ: امام مالک بن انس، امام سفیان بن عیینہ المکی اور قاری نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم المدنی وغیرہم رحمہم اللہ

توثیق: امام بخاری نے بذریعہ سعید بن تلید آپ سے روایت لی ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۴۶۹۴)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''(ثقة) رجل صدق'' ثقہ سچے آدمی ہیں۔

(سوالات ابن الجنید: ٦٦٤)

امام ابوزرعہ الرازی نے فرمایا: ''مصري ثقة، رجل صالح ...'' مصری ثقہ (اور) نیک آدمی ہیں.....الخ

پھر اس کے بعد ابوزرعہ نے بتایا کہ لوگ عبدالرحمٰن بن القاسم کے (امام) مالک سے مسائل میں کلام کرتے ہیں۔ (الجرح والتعدیل ۵/۲۷۹)

حافظ ابن حبان نے انھیں ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ (الثقات لابن حبان ۸/۳۷۴)

حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (الکاشف ۲/۱۶۰ ت ۳۳۳۳)

حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: ''الفقيه صاحب مالك، ثقة''

(تقریب التہذیب: ۳۹۸۰)

ابوالقاسم حمزہ بن محمد الکنانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۷ھ) نے فرمایا: ''**إذا اختلف الناس عن مالك فالقول ما قال ابن القاسم**'' جب لوگوں کا (امام) مالک سے (روایت میں) اختلاف ہوتو ابن القاسم کا قول لینا چاہئے۔ (مقدمۃ الملخص ص۴ وسندہ صحیح)

ابوسعد عبدالکریم بن محمد السمعانی نے کہا: ''**من کبراء المصریین و فقهائهم**''

مصر کے کبار علماء اور فقہاء میں سے ہیں۔ (الانساب ۱۵۲/۴)

حافظ ابن عبدالبر نے کہا:

''**وکان فقیهًا قد غلب علیه الرأی وکان رجلاً صالحًا مقلاً صابرًا وروایته الموطأ عن مالك روایة صحیحة، قلیلة الخطأ وکان فیما رواه عن مالك من موطئه ثقة حسن الضبط متقنًا**''

آپ فقیہ تھے جن پر رائے کا غلبہ تھا، آپ نیک آدمی اور تھوڑے پر صبر کرنے والے تھے، آپ کی موطأ مالک والی روایت صحیح ہے جس میں غلطیاں تھوڑی ہیں، آپ موطأ مالک کی روایت میں ثقہ متقن (اور) اچھے طریقے سے یاد رکھنے والے تھے۔ (الانتقاء ص۵۰)

حافظ ابویعلیٰ الخلیلی القزوینی (متوفی ۴۴۶ھ) نے کہا: ''**ممن یحتج بحدیثه، روی الموطأ عن مالك.. وکان یحسن الروایة وروی عن مالك من مسائل الفقه مالا یوجد عند غیره من أصحاب مالك**'' ان کی حدیث سے حجت پکڑی جاتی ہے، انھوں نے (امام) مالک سے موطأ روایت کی... آپ اچھی روایت کرتے تھے اور آپ نے مالک سے ایسے مسائل فقہ بیان کئے ہیں جو ان کے دوسرے شاگردوں کے پاس نہیں ہیں۔

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۴۰۶/۱)

تلامذہ: ابوالطاہر احمد بن عمرو بن السرح، الحارث بن مسکین، سحنون بن سعید التنوخی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم اور یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر وغیرہم رحمہم اللہ

وفات: صفر ۱۹۱ھ

ہدیۃ المسلمین
حافظ زبیر علی زئی

رفع الیدین قبل الرکوع وبعدہ

حدیث:۱۷

((عن أبي قلابة أنه رأى مالك بن الحويرث إذا صلّى كبر ورفع يديه ، وإذا أراد أن يركع رفع يديه وإذا رفع رأسه من الركوع رفع يديه وحدث أن رسول الله ﷺ صنع هكذا))

ابوقلابہ (تابعی رحمہ اللہ) نے مالک بن حویرث صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ جب نماز پڑھتے اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور حدیث بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔'' (صحیح البخاری ۱۰۲/۱ ح ۷۳۷، واللفظ لہ صحیح مسلم ۱۶۸/۱ ح ۳۹۱)

فوائد:

① اس حدیث اور دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین کرنا چاہئے۔

② رسول اللہ ﷺ سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین متواتر ہے۔

(دیکھئے قطف الازہار المتناثرۃ للسیوطی ص ۹۵، نظم المتناثر ص ۹۶ ح ۶۷ وغیرہما)

③ ترک رفع یدین کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے، مثلاً سنن ترمذی (ج ۱ ص ۵۹ ح ۲۵۷ وحسنہ وصححہ ابن حزم ۱/۱۱۶ ح ۷۴۸-۷۵۲) اور سنن ابی داود (۷۴۸) وغیرہما کی روایت سفیان الثوری کے ''عن'' کی وجہ سے ضعیف ہے، سفیان الثوری مشہور مدلس ہیں۔ دیکھئے عمدۃ القاری للعینی (۲۲۳/۱) ابن الترکمانی کی الجوہر النقی (۲۶۲/۸) سرفراز خان صفدر کی خزائن السنن (۷۷/۲) ماسٹر امین اوکاڑوی کا مجموعۂ رسائل (ج ۳ ص ۴۳۱) اور آئینہ تسکین

الصدور (ص ۹۰، ۹۲) فقہ الفقیہ (ص ۱۳۴) آثار السنن (ص ۱۲۶، تحت ح ۳۸۴ وفی نسخۃ اُخریٰ ص ۱۹۴) وغیرہ

اور مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے جیسا کہ اصولِ حدیث میں مقرر ہے۔

④ صحیح مسلم (ح ۴۳۰) میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں رفع یدین عندالرکوع وبعدہ کا ذکر قطعاً موجود نہیں ہے بلکہ یہ روایت تشہد میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی دوسری حدیث سے ثابت ہے۔ مسند احمد میں ''وھم قعود'' اور وہ بیٹھے ہوئے تھے، کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (دیکھئے ج ۵ ص ۹۳ ح ۲۱۱۶۶)

محدثین نے اس پر سلام کے ابواب باندھے ہیں، اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اس روایت کا تعلق رکوع والے رفع یدین سے نہیں ہے۔ (دیکھئے جزء رفع یدین للبخاری: ۳۷، التلخیص الحبیر ۱/۲۲۱)

خود دیوبندی حضرات نے بھی اس روایت کو رفع یدین کے خلاف پیش کرنے کو ناانصافی قرار دیا ہے، دیکھئے محمد تقی عثمانی کی درس ترمذی (۲/۳۶) محمود حسن کی الورد الشذی علیٰ جامع الترمذی ص ۶۳ اور تقاریر شیخ الہند ص ۶۵

⑤ رفع یدین کندھوں تک کرنا صحیح ہے اور کانوں تک بھی صحیح ہے، دونوں طریقوں میں سے جس پر عمل کیا جائے جائز ہے۔ بعض لوگ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث (صحیح مسلم ۱/۱۶۸ ح ۳۹۱) سے کانوں تک رفع یدین ثابت کرتے ہیں (مثلاً محمد الیاس تقلیدی کی چالیس حدیثیں ص ۹ ح ۹) اور اس حدیث کا باقی حصہ دانستہ حذف کر دیتے ہیں، جس سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔

⑥ صحابہ سے رفع یدین کا کرنا ثابت ہے، نہ کرنا ثابت نہیں ہے، دیکھئے امام بخاری کی جزء رفع الیدین (ح ۲۹) بعض لوگوں کا سنن بیہقی (۲/۸۰، ۸۱) سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا غیر ثابت شدہ اثر نقل کرنا صحیح نہیں ہے، سنن بیہقی کے محولہ صفحہ پر ہی اس اثر پر جرح موجود ہے۔

⑦ ابوبکر بن عیاش نے ابن عمر سے ترکِ رفع یدین والی جو روایت نقل کی ہے وہ کئی لحاظ سے مردود ہے:

اول: ابوبکر بن عیاش جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ دیکھئے نور العینین ص ۱۵۷
علامہ عینی حنفی نے کہا: "و أبو بکر سيئ الحفظ"
اور ابوبکر (بن عیاش) بُرے حافظے والا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۴۵)
دوم: امام احمد نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ (مسائل احمد روایت ابن ہانی ج ۱ ص ۵۰)
سوم: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ابوبکر (بن عیاش) کی حصین سے روایت اس کا وہم ہے، اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (جزء رفع الیدین: ۱۶)
چہارم: یہ روایت شاذ ہے۔

تنبیہ: ابوبکر بن عیاش کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی ہیں لہٰذا ان کی حدیث حسن ہوتی ہے جیسا کہ راقم الحروف نے اپنی سابقہ تحقیق سے رجوع کرتے ہوئے تفصیل کے ساتھ نور العینین میں لکھا ہے لیکن یہ خاص روایت امام احمد اور امام ابن معین کی جرح کی وجہ سے ضعیف ہے، اس روایت کو کسی محدث نے بھی صحیح قرار نہیں دیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے نور العینین طبع جدید (ص ۱۶۸ تا ۱۷۲)

سلیمان الشیبانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے سالم بن عبداللہ (بن عمر) کو دیکھا، جب وہ نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے تھے پھر جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے تھے پھر جب (رکوع سے) سر اُٹھاتے تو رفع یدین کرتے تھے، میں نے اُن سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے اپنے ابا (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور انھوں (سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (حدیث السراج ج ۲ ص ۳۴، ۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ رفع یدین پر مسلسل عمل جاری رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے پھر آپ کے بعد آپ کے صحابہ رفع یدین کرتے تھے، صحابہ کے بعد تابعین رفع یدین کرتے تھے لہٰذا رفع یدین کو منسوخ یا متروک قرار دینا باطل ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

سچے قصے

☆ امام ابوداود السجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصحاب الحدیث (جو نبی کریم ﷺ کی حدیثیں بیان کررہے تھے) کے پاس ایک آوارہ بدچلن اور بے حیا شخص (آ گیا) جب اس نے نبی ﷺ کی حدیث سنی کہ ((**أن الملائکة تضع أجنحتها لطالب العلم رضًا بما یصنع .**)) بے شک طالبِ علم کے لئے، اس کے عمل سے راضی ہوتے ہوئے فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں تو اس شخص نے اپنے جوتوں کے نیچے لوہے کی میخیں لگا دیں اور کہا: میں فرشتوں کے پروں کو روندنا چاہتا ہوں۔

اسے اس کے دونوں پاؤں پر ایسی (شدید) خارش والی بیماری لگ گئی جو اعضاء کو ختم کر دیتی ہے۔ (الطیوریات ج۲ص۲۰۷ ح۱۹۸، وسندہ صحیح)

یعنی صحیح حدیث کا مذاق اُڑانے والا یہ بے حیا شخص چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ یہ تو دنیاوی سزا تھی اور آخرت کا عذاب انتہائی سخت ہے۔

تباہی ہے اُن لوگوں کے لئے جو نبی کریم ﷺ کی حدیثوں کا مذاق اُڑاتے ہیں یا انکار کرتے ہیں۔ کیا اُنھیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا کوئی خوف نہیں ہے؟!

☆ سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا: ((**کل بیمینك .**)) دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس نے (تکبر سے) کہا: میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ((**لا استطعت .**)) اللہ تجھے اس (اپنے ہاتھ سے کھانے) کی طاقت نہ دے۔ اس آدمی نے چونکہ تکبر کی وجہ سے انکار کیا تھا لہٰذا وہ کبھی اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ کی طرف نہ اُٹھا سکا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۲۱، دارالسلام: ۵۲۶۸)

یعنی اس کا دایاں ہاتھ لکڑی کی طرح سخت (شل) ہو گیا، یہ ہے منکرِ حدیث کی دنیا میں سزا

اور آخرت کا عذاب تو شدید ترین ہے۔

☆ امام ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل الترمذی رحمہ اللہ سے روایت ہے:
میں اور احمد بن الحسن (الترمذی، امام) ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل (رحمہ اللہ) کے پاس تھے کہ احمد بن الحسن نے کہا: اے ابو عبداللہ! مکہ میں (یحییٰ بن ابراہیم) ابن ابی قتیلہ کے سامنے اصحاب الحدیث کا ذکر کیا گیا تو اس نے کہا: اصحاب الحدیث بُرے لوگ ہیں، پس (یہ سن کر) ابو عبداللہ (احمد بن حنبل رحمہ اللہ) اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: زندیق ہے (سخت گمراہ، بے دین، ملحد)، زندیق ہے، زندیق ہے۔
(پھر) آپ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ (معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۴ ح ۵ وسندہ حسن)
اس روایت کا راوی ابو الحسین محمد بن احمد الحنظلی ہے جس کی حدیث کو حاکم اور ذہبی (المستدرک ۴/ ۵۹۲ ح ۸۷۶۲) دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس پر محمد بن ابی الفوارس کی جرح متصل سند سے ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہوتی تو جمہور کے مقابلے میں مردود ہے لہٰذا قول راجح میں یہ راوی حسن الحدیث ہیں۔

اس سچے قصے سے ثابت ہوا کہ اہل سنت کے جلیل القدر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان لوگوں کے شدید مخالف تھے جو لوگ حدیث اور محدثین کے مخالف تھے۔

☆ امام ابو عوانہ وضاح بن عبداللہ الیشکری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں (امام) ابو حنیفہ کی مجلس میں تھا کہ ان کے پاس کسی قاضی کا خط آیا جس میں اس نے کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھا تھا۔ ابو حنیفہ کہنے لگے: لکھو (ہاتھ) کاٹا جائے گا، کاٹا جائے گا۔
حتیٰ کہ انھوں نے کھجور کے درخت اور کھجور کے بارے میں کہا: لکھو کاٹا جائے گا۔
میں نے کہا: رک جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((لا قطع في ثمر ولا كثر .)) پھل اور شگوفے (چُرانے) میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ انھوں (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) نے فرمایا: اسے (یعنی میرے فتوے کو) کاٹ دو اور لکھو: (ہاتھ) نہیں کاٹا جائے گا۔
(الطیوریات ج ۳ ص ۱۷۹ ح ۹۰۳ وسندہ صحیح، السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل ۱/ ۲۲۱ ح ۳۸۰ وسندہ صحیح)

احسن الحدیث ابو معاذ

اہلِ ایمان کا مقام ومرتبہ

﴿زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی زینت بنادی گئی ہے اور وہ ایمان والوں سے تمسخر (مذاق) کرتے ہیں اور تقویٰ شعار لوگ قیامت کے دن ان پر (جنت میں) بلند ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حد وحساب رزق دیتا ہے۔ (البقرۃ:۲۱۲)

فقہ القرآن

① کافروں (اور منافقوں، مجرموں) کا مطمحِ نظر صرف دنیا کی زندگی ہے، وہ آخرت سے غافل اور عارضی مفادات کے پیچھے سرپٹ بھاگے جا رہے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ دنیا کی یہ زندگی ایک دن ختم ہونے والی ہے اور پھر....!

② اہل ایمان کا مذاق اُڑانا، اُن سے تمسخر کرنا کافروں کی نشانی ہے۔

③ بلند ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشریح قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے:
آج ایمان والے کافروں پر ہنس رہے ہوں گے، تختوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے۔
(المطففین:۳۴، ۳۵)

④ بلند ہونے کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور مفسرِ قرآن امام قتادہ رحمہ اللہ (تابعی) فرماتے ہیں: ''**فوقهم في الجنة**'' وہ جنت میں اُن پر بلند (اور غالب) ہوں گے۔
(تفسیر عبدالرزاق ۱/۹۸ ح ۲۴۶ وسندہ صحیح، تفسیر ابن ابی حاتم ۲/۳۷۵ ح ۱۹۷۶)

⑤ اللہ تعالیٰ نے مومن بندوں کیلئے جنت میں بے حد وحساب رزق تیار کر رکھا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں اس کا (صحیح) تصور گزرا ہے۔

⑥ مصیبت میں صبر وشکر سے کام لینا چاہئے اور یہی امید رکھنی چاہئے کہ ہمارا رب ہمیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ ⑦ آخری فتح اہلِ ایمان کی ہے۔